

رنگی ناول چی

شوکت تھانوی

پاکستان کنکشنز

پگلی

فرسٹ کلاس کے کوپے میں اب تک ڈاکٹر خالد تنہا ہی سفر کر رہا تھا اور شروع سے آخر تک پڑھنے میں مصروف تھا کہ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہر گئی مگر ڈاکٹر خالد نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ کون سا اسٹیشن ہے اور دیکھتا بھی کیوں اس کو سوائے لاہور کے اسٹیشن کے اور کسی اسٹیشن کا انتظار ہی کب تھا۔ ٹرین چند منٹ ٹھہرنے کے بعد چلنے کے لیے رہنمائی ہی تھی کہ ایک خاتون اپنی چھوٹی سی اٹیچی لیے دروازہ کھول کر وارد ہو گئیں۔ معلوم نہیں خالد نے ان کو دیکھا بھی یا نہیں بہر حال وہ خاتون خالد کو دیکھنے کے باوجود اس لیے نہ دیکھ سکیں کہ اس کے چہرے کے سامنے اخبار پھیلا ہوا تھا جس کو خاتون کے آجانے کے باوجود اس نے نہ ہٹایا۔ ٹرین اب اپنا رفتار بڑھا رہی تھی مگر یہ دونوں خاموش مسافر ایک دوسرے سے قطعاً بے نیاز اس طرح بیٹھے تھے گویا یہ طے کر کے بیٹھے ہوں کہ ایک دوسرے سے ہرگز نیاز حاصل نہ کریں گے۔ آخر اس کیفیت سے گھبرا کر نووارد خاتون نے اس پار جو صاحب بھی تھے ان کو دیکھنے کے لیے اپنے کئی زاویے بدلے مگر ہر طرف اخبار ہی اخبار نظر آیا آخر وہ صبر کر کے پیٹھ رہی مگر آخر کب تک ”نتیجہ یہ کہ اس نے خود ہی بڑبڑانا شروع کیا۔

”بدلتیز کہیں کا، گنوارا حق“

خالد نے گھبرا کر اخبار ایک طرف کر کے پوچھا۔

”کچھ مجھ سے فرمایا؟“

خاتون نے بڑے خشکی سے اعداز سے کہا۔

”جی نہیں میں اس کو کہہ رہی ہوں ریل کے بابو کو کہنے لگا کہ زمانے درجہ میں بیٹھ جائیے۔ کوئی پوچھے تم کون میں زمانے میں بیٹھوں یا مردانے میں تمہاری اجارہ داری ہے اور جانے اس ملک میں یہ زمانہ اور مردانہ لغویت کب تک ہوتی رہے گی؟“ خالد نے کہا۔

”ہے تو واقعی سخت لغویت۔“

خاتون نے خوش ہو کر کہا۔

”ہے نا آپ کے خیال میں بھی لغویت میں تو سمجھتی تھی کہ اب اس گنوار بابو کے بعد آپ سے بھی مجھے سرکھپانا پڑے گا اور آپ بھی کہیں گے

کہ عورتوں کو زمانہ درجہ ہی میں بیٹھنا چاہیے۔“

خالد نے کہا۔ ”مگر اب وہ دن دور نہیں ہے۔ ضرورت تھی صرف احساس کی اور وہ پیدا ہو چکا ہے۔ عورتوں نے اس زاویہ سے خود اپنے اوپر نظر ڈالنا شروع کر دی ہے اس کا انداز فکر اب اس حد تک بدل گیا ہے کہ آپ کو ریلوے کے بابو نے صرف اتنا کہہ کر مشتعل کر دیا کہ آپ زنا نہ درجہ میں بیٹھیں۔ آپ کا اس کو اپنی نسائیت کی ہتک سمجھتا ہی اس کا ثبوت ہے کہ عورت میں اس کی خودی بیدار ہو چکی ہے۔“

خاتون نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

”آپ کہنے جایئے ڈاکٹر صاحب آپ میری زبان سے بول رہے ہیں۔ شکر ہے خدا کا کہ آج مجھ کو ایک ایسا شخص آ کر مل ہی گیا جو اس حد تک میرا ہم خیال ہو۔“

خالد نے ہنس کر کہا۔ ”نہیں خیر یہ باتیں تو ہر مہذب اور معقول آدمی کو کرنا چاہئیں۔“

خاتون نے کہا۔ ”مگر معقولیت اور تہذیب ابھی اتنی عام نہیں ہوئی ہے کہ صورت سے نظر آنے والے ہر مہذب اور معقول آدمی میں واقعی موجود ہو۔ مجھے تو اس معاملے میں ایک سے ایک پڑھے لکھے جاہل اور ایک سے ایک مہذب نظر آنے والے جانور سے واسطہ پڑا ہے جن سے بات کر کے سر پھوڑ لینے کو حتیٰ چاہتا ہے۔ یقیناً جلدیئے گا اگر آپ بھی ایسی ہی باتیں کرتے تو میں خطرے کی زنجیر کھینچ لیتی۔“

خالد نے کہا۔ ”واقعی بڑی کوفت ہوتی ہے کسی نا جنس کے ساتھ وقت گزارنے میں۔“

خاتون نے پھر پھر زک کر کہا۔

”ہائے کیسے کیسے خوبصورت اور چمک جانے والے لفظ آپ استعمال کرتے ہیں ”نا جنس“ ایک ایسا لفظ آپ نے کہہ دیا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کی زخم خوردہ میں ہوں ان کی ساری بوریٹ اور بیہودگی اس ایک لفظ میں سما کر رہ گئی ہے۔“

خالد نے گفتگو کا رخ بدل کر کہا۔

”آپ تشریف کہاں لے جا رہی ہیں؟“

خاتون نے کہا۔ ”اب کہاں تشریف لے جا رہی ہوں لے جا چکی تشریف جہاں لے جانی تھی۔ سر میں ایک سودا تھا اور پاؤں میں سنبھ بندھا ہوا تھا کہ خدا یا اس دنیا میں مجھ کو کوئی ایک ہی ہم خیال مل جائے اپنا۔ شکر ہے کہ وہ آپ مل گئے۔“

خالد نے بڑے مہذب انداز سے کہا۔

”شکریہ آپ کا پھر بھی جا کہاں رہی ہیں آپ؟“

خاتون نے کہا۔ ”کہہ تو دیا کہ اب کہاں جاؤں گی اب تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ آپ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟“

خالد نے ایک دم شپٹا کر کہا۔ ”جی؟۔۔۔۔۔۔ یعنی میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔“

خاتون نے کہا۔ ”سمجھ تو خیر گئے ہیں آپ البتہ یہ بات آپ کے لیے کچھ نئی ضرور ہے جس نے آپ کو گھبرا دیا ہے کہ ایک لڑکی خود آپ سے اس قسم کی بات نہایت بے باکی سے کہہ دے۔ مگر مجھے اس بے باکی کا حق میری اور آپ کی ہم خیالی نے ابھی دیا ہے جس کا خود آپ کو بھی اقرار ہوگا۔ مجھے سالہا سال کی جستجو کے بعد بھی اپنا ایسا ہم خیال بھی کوئی نہ مل سکا اور میرا خیال ہے بلکہ میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کو بھی میرے علاوہ اپنا ہم خیال کوئی شاید ہی مل سکے۔“

خالد نے کہا۔ ”یہ تو درست ہے مگر فرض کر لیجئے کہ میرے حقوق کسی اور کے نام محفوظ ہوں۔“

خاتون نے کہا۔ ”اگر محفوظ ہیں تو لفظ ہیں۔ دوسرے بقول آپ کے حق یا ان کی جمع حقوق مجھے نہیں حاصل نہیں کئے جاتے بلکہ چھینے جاتے ہیں لہذا میں نہایت جرات کے ساتھ چھین لوں گی۔“

اب تو خالد نے واقعی گھبراتے ہوئے کہا۔

”مگر میں اس پوزیشن میں ہرگز نہیں ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ میں کئی سال بعد ولایت سے آ رہا ہوں۔ میری ماں نہ جانے کتنے ارمان لیے اس وقت لاہور کے اسٹیشن پر ٹرل رہی ہوگی۔ اس کی مضطرب نگاہیں گھڑی پر ہوں گی یا حد نظر تک اس ریل کی پٹری پر جس پر یہ ٹرین وہاں پہنچنے والی ہوگی۔ میرے استقبال کے لیے میری منگیترز بیدار بھی آئی ہوگی اپنے دل میں میرے لیے نہ جانے کیا کیا قیامیں چھپائے ہوئے۔ میرے تمام عزیز اور احباب ہوں گے میرے گلے میں ہار ڈالنے کے لیے۔“

خاتون نے نہایت بے پرواہی سے کہا۔

”ہاں ہاں تو ٹھیک ہے میں کب کہتی ہوں کہ آپ کا استقبال اس سے کم تر مجبوشی سے کیا جائے۔ رہ گئی آپ کی منگیترز بیدار اگر وہ مجھ سے زیادہ آپ کی ہم خیال نگلی تو میں آپ دونوں کے درمیان ہرگز حائل نہ ہوں گی اور اگر یہ بات نہیں ہے تو آپ خود فور کیجئے کہ شادی تو ایک ہی ہوگی مگر زندگیاں دو تہا ہوں گی۔“

خالد نے رائیونڈ کا اسٹیشن دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس اب لاہور ٹھہرے گی ٹرین اور اب بہت کم وقت ہے آپ کے لیے آپ اپنا پروگرام طے کریں نکلت آپ کا کہاں کا ہے؟“

خاتون نے کہا۔ ”نکلت لاہور ہی کا ہے اتفاق سے۔“

خالد نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ”اور قیام کہاں ہوگا لاہور میں؟“

خاتون نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ کے دولت خانہ پر۔ آپ آخر اس قدر پریشان کیوں ہیں میں اپنے آپ کو آپ کے سر منڈھ نہیں رہی ہوں

بلکہ آپ کی ایک دوست کی حیثیت سے آپ کی گھر بلو فضائوں کا مطالعہ کرنے آپ کے گھر مہمان کی حیثیت سے جا رہی ہوں۔“

خالد نے اسی کو نصیحت جان کر کہا۔ ”بے شک تشریف لے چلے۔ خانہ بے تکلف ہے مگر چونکہ مجھے اس مہمان کا اپنے عزیزوں سے تعارف بھی کرانا ہوگا لہذا آپ کا نام معلوم ہو جانا بے حد ضروری ہے۔“

خاتون نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”واقعی یہ کمال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنے قریب آ گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا نام تک پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ آپ کا نام تو یہ رہا آپ کے سوٹ کیس پر ڈاکٹر ایس ایم خالد اور میرا نام گل رخ۔ یاد رہے گا آپ کو یہ نام۔“

خالد نے کہا۔ ”جی ہاں قطعی، مگر ایک گزارش کروں کہ میرے گھر کے افراد اور میرے عزیز ابھی اتنے روشن خیال اور وسیع النظر نہیں ہوئے ہیں کہ وہ اس قسم کی باتیں اور ان باتوں کی صحیح اسپرٹ سمجھ سکیں۔ جیسی ہم دونوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں اس کے علاوہ میں درخواست کروں گا کہ آپ اپنے کسی طرز عمل سے کسی کو بدگمانی کا موقع نہ دیں تو اچھا ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”آپ اب مجھے بہت سی چیزیں سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں بھی آخر اس سر میں تھوڑا سا بھیجا رکھتی ہوں۔“

ٹرین لاہور چھاؤنی سے گزر کر لاہور اسٹیشن کے پارڈ میں داخل ہو رہی تھی اور خالد اپنا سامان اکٹھا کر رہا تھا۔

لاہور اسٹیشن پر ٹرین کے ٹھہرتے ہی اس کو پے کے دروازہ پر خالد کے تمام عزیز اور دوست دوڑ دوڑ کر جمع ہو گئے تھے دروازہ کھول کر خالد پہلے ہی سے اس لیے کھڑا ہو گیا تھا کہ اس کا استقبال کرنے والے ٹرین کے ہر ڈبہ میں اس کو جھانکتے نہ پھریں اور جب اس مجمع کو چیرتی ہوئی آنکھوں میں مسرت کے آنسو لیے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خالد کی والدہ آگے بڑھیں تو خالد کو دکھ پائیٹ فارم پر آ گیا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا جو خود اس کو کلیجے سے لگانے کے لیے بے قرار تھیں۔ وہ بیٹے سے مل کر ایسی از خود رفتہ ہوئیں کہ بیٹے کے گلے میں ڈالنے کے لیے جو ہار لائی تھیں وہ ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رو گیا۔ آخر جب ایک صاحب نے قریب آ کر کہا۔ ”خالہ جان آخر ہم لوگوں کا بھی کچھ حق ہے یا نہیں۔“ تو وہ بیٹے سے علیحدہ ہوئیں اور اب ان کو وہ ہار بھی یاد آ یا جو انہوں نے خالد کے گلے میں ڈال کر اس کی بلائیں لیں اب تو ہر طرف سے ہار پڑنے لگے اور تھوڑی سی دیر میں خالد کا چہرہ ان ہاروں کے درمیان ایسا نظر آنے لگا جیسے گلدستے میں کوئی بڑا سا پھول پیچا ہو۔ وہ ایک ایک سے مل رہا تھا اور جس سے ملتا تھا وہی ایک ہار اس کے گلے میں ڈال دیتا تھا۔ ابھی اس کو سب گھیرے ہوئے تھے کہ کسی نے کسی طرح اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”اگر آپ ان سب سے مل چکے ہوں تو اپنے سامان سے بھی مل لیجئے جو اس ٹرین کے ساتھ ہی روانہ ہونے والا ہے۔“

خالد نے چونک کر ایک صاحب سے کہا۔

”نعیم بھائی واقعی سامان تو اترا دئیے۔ چھوٹے بڑے سب ملا کر سب سات عدد ہیں۔“

کہا۔

”یہ تو واقعی اتنے ہی دنوں میں ایک قسم کی خاتون محترم بن چکی ہیں جن کو نہایت ادب سے سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔“

خالد کی والدہ نے ہنس کر کہا۔ ”اسی لیے وہ غریب دور کھڑی ہوئی تھی۔“

گل رخ نے زبیدہ کی طرح بڑھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کا غائبانہ تعارف تو ڈاکٹر صاحب کراچکے ہیں اپنا تعارف میں خود کراتی ہوں۔ میرا نام ہے گل رخ اور میں آپ کے گھر مہمان بن کر ٹھہرنے کو آئی ہوں۔ آئیے ہاتھ ملایئے مجھ سے۔“ اور یہ کہہ کر اس کا ہاتھ خود ہی پکڑ کر اس طرح ملایا کہ وہ کچھ اور بھی جھینپ گئی اور خالد کی والدہ کی بغل میں اپنا منہ چھپالیا تو گل رخ نے خالد سے کہا۔ ”نہیں صاحب دنیا میں ہر بے ضرورت چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمانہ درجہ بھی بے کار نہیں ہوتا۔ خدا سلامت رکھے ہماری ان بھونٹیوں کو ان کے لیے یہ انتظام بے حد ضروری ہے۔“

اور تو کوئی یہ بات سمجھ نہ سکے سب مذاخا کر رہ گئے مگر خالد نے جلدی سے بات کو گول کرنے کے لیے کہا۔ ”بھئی اب آپ لوگ مجھے گھر بھی لے چلیں گے یا نہیں۔“

چنانچہ سب کو بھولا بسر اگھر یاد آ گیا اور یہ بھی یاد آ گیا کہ اسٹیشن پر تو چند ہی لوگ آئے ہیں باقی خلقت تو گھر ہی پر منتظر ہے۔ خالد کی والدہ نے کہا۔ ”کچھ تو ہے گھر پر سب الگ انتظار کر رہے ہوں گے اور وہ غریب بھی اتنا لمبا سفر کر کے تھکا ہارا آیا ہے۔“

یہ سب خالد کو اپنے گھر سے میں لیے اسٹیشن سے باہر آئے اور پھولوں سی بھی ہوئی ایک کار میں خالد کو بٹھا کر اور اس کے اس ساتھ اس کی والدہ زبیدہ اور گل رخ کو بٹھا کر نعیم صاحب بھی ڈرائیور کے برابر بیٹھ گئے۔ باقی لوگ مختلف کاروں میں جا بیٹھے اور یہ قافلہ فرائے بھرتا بہت جلد خالد کے گھر تک پہنچ گیا جس کو نہایت سلیقہ سے سجایا گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ بڑبڑتیوں سے ایک پھاٹک بھی بتایا گیا تھا جس پر ”خوش آمدید“ کے حروف جگمگا رہے تھے۔ خالد نے یہ منظر دیکھ کر نعیم کو طلب کیا۔

”نعیم بھائی اپنے ہی گھر میں اپنے ہی لیے یہ تکلف دیکھ کر مجھے تو وہ شعر یاد آ گیا۔“

دشت غربت سے وطن میں آئے بھی تو کیا ہوا

اجنبی کی طرح پیروں اپنے گھر دیکھا کئے

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”ان لوگوں کی یہی ضد تھی۔ ایک ہفتہ سے یہ سب کچھ کرتے پھر رہے تھے کہ سڑک پر سرخی کوئی جا رہی ہے گھر میں قلعی ہو رہی ہے پتیوں کا پھاٹک بن رہا ہے جھنڈیاں بنائی جا رہی ہیں۔ مہمانوں کو بٹھانے کے لیے شامیانے لگ رہے ہیں اور کرسیاں اور صوفے جانے کہاں کہاں سے لائے جا رہے ہیں۔ کل رات بھر میں تو شامیانہ لگا ہے۔“

یہ دونوں شادی کریں گے تو ایک دوسرے ہی سے کریں گے ورنہ اس جھگڑے ہی میں نہ پڑیں گے۔ حضرت میں ظہر ایک خاندانی وضع کا پابند پرانے رہاے کا آدمی مجھ کو جب یہ خبر ہوئی تو میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ میرے خاندان میں اس قسم کی غیر شریعہ حرکت کیسے ممکن ہوگی؟“

سب انسپکٹر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”قبہ معاف کیجئے گا اس میں غیر شریعہ حرکت کیا تھی؟“
 بزرگ محترم نے کہا۔ ”آپ نہیں سمجھتے۔ یوں تو خدا ناخواستہ کوئی غیر شریعہ حرکت نہ تھی مگر میرے خاندان کے لیے چونکہ یہ خود سری ایک نئی سی چہر تھی لہذا میں اس کی تاب نہ نہ سکا اور میں نے صاحبزادی کی والدہ سے کہہ دیا کہ میں جینی کو گولی مار سکتا ہوں، زندہ دفن کر سکتا ہوں، گلا گھونٹ کر خود پھانسی کے تختے پر لٹک سکتا ہوں، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ارجمند جیسے ادب باش سے شادی کرنا چاہتی ہے لہذا میں بھی سر تسلیم خم کر دوں۔“

سب انسپکٹر نے ارجمند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”صورت سے تو ادب باش نظر آتے نہیں۔“
 بزرگ محترم نے جلدی سے کہا۔ ”نہ نہ یہ مطلب نہیں میرا کہ یہ خدا ناخواستہ ادب باش ہیں یا ادب باش تھے۔ میرے نزدیک تو ان کا میری بیٹی سے مل کر شادی طے کرنا ہی ان کے ادب باش ہونے کی دلیل تھا۔ ویسے یہ بفضلِ نہایت ہو بہا سعادت مند اور خوش طور لو جوان ہیں۔“
 سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اچھا تو یہ گویا آپ کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اس قسم کے سعید اور صالح نوجوان ہیں۔“
 بزرگ محترم نے سمجھتے ہوئے کہا۔ ”مئی نہیں معلوم تو پہلے سے تھا مگر چونکہ میری بیٹی کو ان حضرت نے براہِ راست شادی کا پیام دے دیا تھا۔“

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔ ”آپ ظہر بیٹے چچا میاں میں سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔“
 بزرگ محترم نے ایک طرف ہٹتے ہوئے اپنی چھایہ کا ثوبہ کھولتے ہوئے کہا۔
 ”چلو یہی سہی تم ہی سمجھاؤ مطلب تو ہے سمجھانے سے خواہ کوئی سمجھائے۔“

ارجمند نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ”صاحب قصہ دراصل یہ ہے کہ میرے والد مرحوم اور قبہ حکیم صاحب میں نہایت دوستانہ مراسم تھے اور علاوہ پڑوسی کے یہ دونوں شطرنج کے معاملے میں ہم مشرب بھی تھے لہذا ہر وقت کی کھجائی نے ان مراسم کو دوستانہ مراسم سے زیادہ عزیزانہ مراسم کا درجہ دے دیا تھا۔ یہاں رمانے کا ذکر ہے جب میری عمر بارہ تیرہ سال کی تھی اور گل رخ سات آٹھ سال کی ہوگی۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھیل کر جوان ہوئے اور یہ جوانی ہم دونوں کے لیے دائمی کھجائی کا ارمان لے کر آئی چنانچہ ایک دوسرے سے دائمی کھجائی اس حد تک بڑھی تھی کہ۔۔۔۔۔“

کے رنگ ہوم بنانے کے لیے جو سماں مار باہوں اس کے علاوہ یہ یہ سامان آپ مہیا کر لیجئے چنانچہ فہم بھائی نے جن کو خالد کے مزار میں کافی وصل حاصل تھا، مطب اور نرسنگ ہوم دونوں کے لیے فرنیچر وغیرہ ایسا بنوا رکھا تھا جن میں سے کسی ایک چیز سے خالد کو اختلاف نہ ہو سکا۔ کچھ دن بعد وہ تمام سامان بھی پانی کے جہاز سے کراچی پہنچ کر لا ہوا گیا جو خالد نے اپنے مطب اور نرسنگ ہوم کے لیے دل بیت سے بک کروایا تھا وراپ ڈاکٹر خالد کا مطب اور یہ نرسنگ ہوم دونوں اولوالعزم ڈاکٹر کے مطب اور نرسنگ ہوم کی حیثیت سے چلنے لگے۔ نرسنگ ہوم میں ہاسیٹہ نرسیں سرگرم عمل نظر آنے لگیں اور مطب میں ڈاکٹر خالد کے کئی اسسٹنٹ مریضوں کی دیکھ بھال کرتے نظر آنے لگے۔ خود ڈاکٹر خالد کی مصروفیت کی تو کوئی انتہائی نہ تھی اس کو خود یہ توقع تھی کہ اتنی جلدی اس کو یہ مقبولیت حاصل ہو جائے گی اور اس کی پریکٹس چل لکھے گی مگر اس نے اپنا مطب اور نرسنگ ہوم قائم کرتے ہی ایک آدھ آپریشن کچھ ایسی جھوٹائی کے ساتھ کیا کہ دھوم مچ گئی اس کی کہ واقعی دماغی مراض کا صحیح معنوں میں ماہر ہے۔ صرف مقامی ہی نہیں دور دور سے مریض آنے لگے اور کچھ ایسا دست شفا پایا تھا اس نے کہ مایوسی کی حد تک پہنچے ہوئے مریض اس کے مطب اور نرسنگ ہوم سے تندرست ہو کر جانے لگے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مشغول ڈاکٹر کو ہنی فرصت کے نہایت ہی محدود لیے میسر آ سکتے ہیں۔ مگر گل رخ اس معاملے میں بھی اس کے واسطے بدئے بے درماں ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر خالد نے اس کا نام ”رست و یق“ رکھ دیا تھا۔ مگر وہ اپنے نام پر بھی بھائے تھا ہونے کے بڑی خندہ پیشانی اور مستندی کے ساتھ یہی کہتی تھی کہ

”دیکھئے جناب آپ مجھ کو رست و یق کہیں یا الارم نام میں مگر میں آپ سے وقت کی پابندی ضرور کراؤں گی۔ آپ نے مطب میں آنے کا وقت نو بجے مقرر کیا ہے لہذا نو بجے آپ کو یقیناً مطب میں پہنچ جانا چاہیے۔ ایک بجے پہنچنے کے لیے آپ کو مطب سے گھر آنا ہے لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ مصروفیت آپ کی گھڑی میں ایک بجتے ہی نہ دے۔ چار بجے سہ پہر کو پھر مطب میں جانا ہے یقیناً جائے مگر وہاں کا وقت سات بجے مقرر ہے تو سات بجے آپ کو وہاں بھی آ جانا چاہیے۔“

خالد یہ سن کر کہہ کر تا تھا کہ ”یہ وقت تو میں نے مقرر کئے ہیں مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کا دراصل کوئی وقت نہیں ہوتا اور مریضوں کو اس کا پورا حق حاصل ہے کہ وہ میرے فرصت کے اوقات میں سے جو وقت چاہیں مجھ سے چھین لیں۔ چنانچہ ایسی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ میں نے لٹچ پر آنے کا وقت ایک بجے رکھا ہے اور کوئی آپریشن طول کھینچ گیا ہے ظاہر ہے کہ میں مریض کو آپریشن کی میر پر چھوڑ کر تو نہیں آ سکتا۔“

اس کا جواب گل رخ کے پاس موجود تھا کہ ”خیر اس دماغی اسپتال میں رہنے کی باوجود میرا دماغ اتنا خراب تو نہیں ہے کہ میں ایسے وقت پر آپ کو پابندی وقت پر مجبور کروں مگر چند تھکے ہوئے ہو چکا ہے کہ آپ اپنے آرام اور اپنے کھانے کے اوقات کی طرف سے بھی غافل ہو چکے ہیں لہذا ضرورت اس کی ہے آپ کو میں خود گرفتار کر لیا کروں۔ ڈاکٹر کا تندرست رہنا مریضوں کو تندرست کرنے سے کچھ کم ضروری

نہیں ہے۔ آپ کو اپنے مریضوں کی تو فکر ہے مگر خود اپنی طرف سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔“

چنانچہ عموماً ہوتا بھی تھا کہ ٹھیک ایک بجے گل رخ ڈاکٹر صاحب کو ڈھونڈتی ہوئی خواہ وہ مطب میں ہوں یا نرسنگ ہوم میں ر وڈ پر پہنچ جایا کرتی تھی اور سوائے اس کے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ ڈاکٹر صاحب آپریشن تھیمز میں ہیں وہ ڈاکٹر صاحب کو پکڑ ہی لے جاتی تھی۔ چنانچہ جہاں انہوں نے گل رخ کی صورت دیکھی فوراً ان کی نگاہ گھبرا کر گھڑی پر جاتی تھی اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے۔ ”بچے صاحب وہ آ گئے یک بجے کی سوئی ایک پر۔“ اور ان کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا ہی پڑتا تھا۔ ایک اس پر کیا مختصر تھا وہ ڈاکٹر صاحب کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا اس حد تک خیال رکھتی تھی کہ کیا مجال کہ ڈاکٹر صاحب صبح بیدار ہوئے اور اس کو بستر سے لگی ہوئی میز پر پی کوزی سے ڈھکی ہوئی چائے کی کیتلی نہ ملے۔ کیا مجال کہ غسل خانے میں وہ کپڑے سیپے سے لگے ہوئے نہ ہوں جو اس دن ان کو پہننا ہیں اور کیا مجال کہ ان کپڑوں میں ایک بٹن بھی ٹوٹا ہوا ہو۔ ڈاکٹر خالد کو کسی ایک دن بھی ملازم سے یہ شکایت نہ کرتا پڑی کہ مجھ کو جو بٹن پہننا تھا اس پر پالش کیوں نہیں ہے یا اس سوٹ کے ساتھ یہ غلط ٹائی اسٹری کر کے کیوں لگا دی ہے۔ یہ تمام اہتمام گل رخ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ ہر چند کہ اس اہتمام کی مستحق رہیدہ اپنے کو سمجھتی تھی بلکہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ بھی یہ چاہتی تھیں کہ رہیدہ کو پیش پیش رکھیں مگر اس کا کیا علاج کہ زیدہ اس قسم کا جو کام بھی کرنے کو افسی اس کو کیا کرایا ملتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ گل رخ نے ڈاکٹر صاحب کی والدہ کی بھی اس حد تک خدمت کی تھی کہ دن کا دن ہی اس کو دعائیں دیتا تھا اور اب ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ گل رخ کی مخالفت کریں بھی تو کس طرح وہ دیکھ رہی تھیں کہ گل رخ ڈاکٹر خالد پر پھانسی ہوئی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ وہ اکثر زبیدہ کو اس قسم کے مشورے دیتی رہتی تھی جیسے وہ اس کو ڈاکٹر خالد کی صحیح معنوں میں بیوی بننے کے قابل بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ مثلاً ایک دن اس نے دیکھا کہ وہ زبیدہ کے سر پر یک خاص قسم کا جوڑا باندھ رہی ہے اور کہتی جاتی ہے۔

”یہ سب تم کو آنا چاہیے زبیدہ بہن چارون کے بعد تم کو ایک ایسے شوہر کے ساتھ مختلف پارٹیوں میں جانا پڑے گا جو نہ صرف سالہا سال ولایت میں رہ چکا ہے بلکہ خود بھی نہایت نفیس حراں رکھتا ہے۔ وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہارے ہاں تیل میں اس طرح ڈوبے ہوئے ہوں۔“

اس قسم کی باتوں سے زبیدہ کے دل کے تمام شک و شبہ بھی دھل جاتے تھے اور ڈاکٹر خالد کی والدہ بھی مطمئن ہو جاتی تھیں کہ جو کچھ ان کو نظر آ رہا ہے وہ ان کی نگاہوں کا دھوکہ ہے۔ گل رخ کی یہ تمام خدمات بے لوث ہیں اور ان کی وہ غرض نہیں ہے جو وہ سمجھ رہی ہیں۔ بلکہ ایک دن تو گل رخ نے خود ڈاکٹر خالد کو ایب پکرایا کہ ان کا ارادہ ہوا کہ اپنے دماغی اسپتال میں خود ہی داخل ہو جائیں۔ ہوا یہ کہ گل رخ تو گئی ڈاکٹر خالد کو لٹچ کے لیے اسپتال سے پکڑنے اور اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر زبیدہ نے ڈاکٹر صاحب کے لیے وہ کپڑے نکال

میری بات سن کر حیران رہ گئی اور اس کے بعد جب نصیم بھائی کی بات پر سارا قصہ معلوم ہوا تو اس نے جھٹ زبیدہ کے بے ڈھنگے پن کو اپنے سراوڑ لیا اور نہ صرف مجھ کو ہی بلکہ زبیدہ کو بھی حیران کر دیا۔ یہ سب آخر کیا ہے اور گل رخ کی اس میں مصحت کیا ہے۔ خالد نے آج کی دوپہرا ہی گتھی کو سمجھانے کے لیے غور کر دی۔

شام کو جب گل رخ فرسنگ ہوم سے ڈاکٹر خالد کو لے کر گھر چلی تو گھر کے راستے کی طرف جانے کے بجائے خالد نے پائیں باغ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”ذرا حوض کی طرف دیکھتے چلیں کہ کتنی مچھیاں اب تک زندہ ہیں۔ کبھی کبھی اس باغ کی سیر بھی کرنا چاہیے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”یقیناً سیر کرنا چاہیے مگر ذرا ٹھہرے میں زبیدہ بہن کو بھی جالوں۔“

خالد نے اس کے رستے میں ”کر اس کو روکتے ہوئے کہا۔“ مئی نہیں مجھے آپ سے اس وقت کچھ باتیں بھی کرنا ہیں۔“

گل رخ نے سراپا سوال بن کر کہا۔ ”مجھ سے باتیں کرنا ہیں؟ تو یاد دہانی باتیں ہیں کہ زبیدہ تک نہیں سکتی وہ باتیں؟“

خالد نے کہا۔ ”جی ہاں ہر بات ہر ایک کے سننے کی نہیں ہوتی میں اپنے دماغ کا ایک بوجھ ہلکا کرنے جا رہا ہوں اور آپ چاہتی ہیں کہ اس بوجھ میں کچھ اور ٹکسن بڑھا کر اپنی الجھنوں میں اضافہ کریں۔“

گل رخ نے جیسے ڈرتے ہوئے کہا۔ ”تو یہ تو پہ میں کیوں چاہتی اگر آپ نہیں چاہتے کہ زبیدہ ساتھ ہو تو نہ سکی۔ تشریف لے آئیے آپ! مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ بوجھ کھٹل، الجھن یا اتنی چیزیں آپ نے سمیٹ کہاں سے لیں؟“

خالد نے باغ کی طرف بڑھتے ہوئے ایک طنز میں بھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”اتنی چیزیں کہاں سے سمیٹ لیں؟ اس کا جواب میری طرف سے ایک شاعر نے اپنے مصرع میں دیا ہے کہ

آخر اے باد صبا میں ہما آوردہ تست

گل رخ نے چوتھے ہوئے کہا۔ ”تست؟ یا اشارہ میری طرف ہے یا اتفاق سے آپ کا منہ میری طرف اٹھ گیا۔“

خالد نے حکمانہ انداز سے کہا۔ ”ٹھہر جائیے بس اسی حوض کے پاس اور بننے کی کوشش کرنے کے بجائے مجھ کو جواب دیجئے صاف صاف میرے ہر سوال کا کہ یہ آخر آپ نے کھیل کیا کھیل رکھا ہے۔“

گل رخ نے بڑی سادگی سے کہا۔ ”میں اسی لیے آپ کی اس شدید محنت کی مخالفت کرتی تھی۔ آخر آپ کے حرج میں وہ چڑچڑاپن پیدا ہوئی گیا جو ایک فٹکے ہوئے انسان میں عموماً پیدا ہو جاتا ہے۔“

خالد نے واقعی چڑچڑے پن کے ساتھ کہا۔ ”آپ موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش نہ کیجئے میں اس وقت جز تکلف سے بری ہو کر براہ

راست آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ میرے ساتھ اس گھر میں آئی ہیں تو ٹرین پر آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا۔"

گل رخ نے کہا۔ "میں نے یہی کہا تھا کہ مجھ کو اپنے حس ہم خیال کی جستجوئی وہ مجھ کو مل گیا۔ یہ اعتراف میں آج بھی کرتی ہوں مگر آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کسی اور کے منگیتر ہیں۔"

خاند نے کہا۔ "جی ہاں مگر آپ نے کہا تھا کہ اگر منگیتر ہیں تو غلط ہیں اس لیے کہ کوئی لڑکی آپ کی اتنی ہم خیال نہیں ہو سکتی جتنی میں ہوں اور اگر ہم خیالی نہ ہو تو شادی تو ایک ہی ہوتی ہے مگر رنہ گیاں دو تباہ ہوتی ہیں۔"

گل رخ نے کہا۔ "مجھے یاد ہے اپنی بات مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی کا حق تحمین لوں۔ میں اسی اردو سے آپ کے ساتھ آئی تھی کہ پہلے تو آپ کی منگیتر کو آپ کا ہم خیال بنانے کی پوری کوشش کروں گی اور اگر اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تو پتہ حق سے اس بے دستبردار ہو جاؤں گی کہ یہ حق پھر بھی دوسرا اور چہرہ رکھتا ہے اس کے حق کے مقابلہ میں۔"

خاند نے کہا۔ "یہ تم کیسی بے بکلی باتیں کر رہی ہو گل رخ؟ تم کیوں میرے دفاعی توازن کے درپے ہو؟ تم نے اس عرصہ میں مجھے اپنے سے جتنا قریب کر لیا ہے کاش تم کو معلوم ہوتا کہ نہ بیدہ مجھ سے اتنی ہی دور جا چکی ہے۔"

گل رخ نے کہا۔ "جی ہاں میں اپنا یہ قصور بھی معاف نہ کروں گی اور جذبات کی رو میں آپ سے میں اس قدر قریب آ گئی تھی کہ بے چاری نہ بیدہ آپ سے دور ہوتی چلی گئی مگر اب میں سنبھل چکی ہوں اور اب میں ایسا نداری کے ساتھ کوشش کر رہی ہوں کہ نہ بیدہ کو جس طرح بھی ہو سکے آپ سے قریب، سکوں۔ آپ نہ بیدہ سے جس حد تک مایوس ہیں میں اتنی ہی پر امید ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرے تھوڑے دنوں کی کوشش کے بعد شاید آپ بھی نہ بیدہ سے اتنے مایوس نہ رہیں۔"

ڈاکٹر خاند نے الجھتے ہوئے کہا۔ "گل رخ خدا کے لیے مجھ کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ میں تمہارے تعاقب میں اس جگہ آ چکا ہوں جہاں سے نہ بیدہ کے لیے واپس ہونا اب میرے امکان میں نہیں ہے۔"

گل رخ نے کہا۔ "آپ بالکل واپس نہ ہوں میں نہ بیدہ کو اسی جگہ مانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

خاند نے جڑ بڑھ کر کہا۔ "فلفل ناممکن یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب ان باتوں کا وقت نہیں رہا نہ بیدہ اس روہ میں میری طرف بڑھ سکتی ہے نہ میں اس کے لیے واپس ہو سکتا ہوں۔"

گل رخ نے کہا۔ "اچھا اب ذرا ٹھنڈے دل سے انصاف کیجئے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے۔ اسی لیے ناکہ میں ناگہانی طور پر آپ کو مل گئے۔ میں نے ایک عورت کے منصب سے قدم آگے احساسات پر چھاپ مارا۔ خود تو بے پردہ تھی ہی اسے جذبات کو بھی بے پردگی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا، ورنہ یہاں آنے کے بعد بھی اس خود غرضی میں خدا جانے کب تک جھلار ہی گھر میں آپ کے اور نہ بیدہ کے

جائے۔"

گل رخ نے کہا۔ "جی ہاں میں جانتی ہوں کہ صرف یہی باتیں کسی کو کسی کا ہم خیال نہیں بنا سکتیں۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اس نامزد گھڑی سے پہلے زبیدہ کے لیے آپ کے احساسات کیا تھے جب میں آپ سے ملی ہوں۔"

خالد نے کہا۔ "مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت تک کنوئیں کے سینڈک کی طرح میں یہی سمجھتا تھا کہ زبیدہ ہی میری تمام امیدوں کا مرکز ہے، اور مجھ کو اس میں صرف خوبیاں نظر آتی تھیں مگر آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اب میں یہ کھلی ہوئی آنکھیں کیسے بند کر لوں۔"

گل رخ نے کہا۔ "بس تو مجھ کو بھی اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا ہے اور میں ایڑی چوٹی کا زور لگاؤں گی کہ یا تو زبیدہ کو آپ کے اس معیار پر لے آؤں جو میں نے آپ کی آنکھیں کھول کر پیدا کیا ہے یا اپنے کو اخلاقی طور پر اتنا پست کر لوں کہ زبیدہ کے حقوق پر عاصیانہ قبضہ کرنے کی ٹھٹھکی پہنے دل میں محسوس نہ کروں۔"

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ "خدا نے چاہا تو یہ دوسری بات ہو کر رہے گی اور انشاء اللہ آپ اپنی اس احمقانہ کوشش میں ناکام ہو کر رہیں گی۔ چھ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور کتنا خود غرض ہوں کہ میں نے اپنے علاوہ اس سوال پر اب تک غور ہی نہیں کیا یہ سوال ہے خود آپ کے متعلق کہ اگر آپ اپنی اس احمقانہ کوشش میں خدا کا خواست کامیاب بھی ہو گئیں تو خود آپ کا کیا حشر ہوگا؟"

گل رخ نے کہا۔ "میری طرف سے آپ مطمئن رہیں میں اپنی جستجو میں ناکامیوں کی عادی ہوں۔ ریگستان کے مسافر تفتلی کی شدت میں ہار ہا سراب کی طرف دوڑتے ہیں اور قریب پہنچ کر اپنی نگاہوں کے اس دھوکہ کو دیکھنے کے باوجود پھر سی قسم کے تازہ دھوکے کھاتے ہیں۔ میں سمجھوں گی کہ میں بھی ایک سراب کی طرف بڑھتی چلی آئی تھی اور اس کے بعد بھی میری جستجو بدستور باقی رہے گی۔"

خالد نے جذبات سے بے قابو ہو کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا میں تم کو اس طرح کبھی بھٹکنے نہ دوں گا تم مجھ کو پا چکی ہو اور اب میں نے تم کو پا لیا ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ گل رخ کی طرف بڑھا دیا مگر گل رخ نے چند قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔ "آپ مجھے اس امتحان میں مبتلا نہ کریں میں زبیدہ کا صبر سمیٹ کر کبھی خوش نہ رہا سکوں گی۔"

اور اسی وقت کسی کے قدموں کی چاپ سن کر ڈاکٹر خالد نے حوض میں ہاتھ ڈال کر اس کو کھٹکانا شروع کر دیا۔ آنے والی زس تھی جس نے آتے ہی کہا۔ "روم نمبر پانچ کا مریض ہوش میں آ گیا ہے۔"

ڈاکٹر خالد اس کے ساتھ ہی نپکتا ہوا چلا گیا۔

خالد کی اس بے باکی نے اور جذبات کی رو میں اس حد تک پہنچنے نے گل رخ کو جس حد تک ششدر کیا تھا اس سے کہیں زیادہ زبیدہ نے

خالد کے جانے کے بعد ہی ایک جھڑی سے برآمد ہو کر اس کو دنگ کر دیا۔ زبیدہ جھاڑی سے نکلتے ہی گل رخ سے دوڑ کر پٹ گئی اور قریب تھا کہ گل رخ اس اچانک حملے پر چیخ اٹھے کہ زبیدہ نے بھرائی ہوئی آوار میں کہا۔

”گل بہن! میں سب کچھ سن چکی ہوں اور تم سے اب صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم مجھ کو معاف کر دو جو کچھ خالد نے کہا ہے اس کا تعلق تو میری قسمت سے ہے مگر میں تمہاری قصور وار ہوں کہ میرے دل میں تمہارے متعلق نہ جانے کیا کہہ تھا۔“ گل رخ نے بات کاٹ کر گھبراتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے دل میں میرے متعلق جو کچھ تھا وہ بالکل درست تھا میں واقعی تمہارے حقوق پر ڈکھانے کی نیت سے یہاں آئی تھی۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”مگر اب تو تم خود اپنے جذبات پر ڈاک ڈال رہی ہو۔ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ تمہارے اس ہیکر میں ایک مقدس فرشتہ چھپا ہوا ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”نہ نہ! اس لحاظ فنی میں بھی نہ رہتا میرے دل میں جو چور چھپ ہوا ہے اس کو فرشتہ کہہ کر فرشتے کی تقدیس پر حملہ نہ کرو۔ البتہ یہ دعا مانگو کہ میں جو کوشش کر رہی ہوں ایک جیتی جاگتی خودکشی کی اس میں کامیاب ہو جاؤں۔ اب تک یہ کوشش میرے مکان میں تھی مگر آج خالد کی باتوں نے مجھ کو بھراؤ لگا دیا ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”تم کس قدر بچی ہو۔ کس قدر ایمان دار اور صاف گو ہو۔“

گل رخ نے بڑی سنجیدگی اور روانی سے کہا۔ ”خیر وہ تو میں ہوں مگر تمہارے حقوق کی غاصب بھی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارا حق تم ہی کو ملے مگر نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے جو چیز میں پانچکی ہوں وہ اپنے سے چھین کر تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں تم نے اچھا کیا یہ باتیں خود میں در نہ مجھے ایک ایک بات یاد رکھ کر تم کو بتانا پڑتی۔ اچھا اب تم بھی دیانتداری اور صاف گوئی سے کام لے کر یہ بتاؤ کہ تم کو خالد کیوں پسند ہے؟“

زبیدہ نے کہا۔ ”کیا پسند کی تشریح ممکن ہے گل بہن! مگر اب پسندنا پسند کا کیا سوال ہے۔ میں زبردستی اپنے آپ کو ان کے سر منڈھنا نہیں چاہتی مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے لیے ان کی رائے کے اظہار کے بعد میں اپنی نہایت کی توہین سمجھتی ہوں کہ دامن پھینا کر ان سے محبت کی بجائے مانگوں۔“

گل رخ نے اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ ”خیر یہ محض الفاظ ہیں۔ اس قسم کے معاملات میں کٹھن رہاؤں کا اور دل ربان کا ساتھ نہیں دیتا مگر میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم کو خالد کیوں پسند ہے؟“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ اب اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

گل رخ نے بڑے وثوق سے کہا۔ ”کیوں نہیں پیدا ہوتا ہے سوال؟ تم نے خالد کی زبان سے یہ سنا ہے نا کہ وہ تم کو پسند نہیں کرتا مگر تم تو اس کو پسند کرتی ہو نا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”جب وہ مجھے پسند نہیں کرتے تو میں ان کو کیوں پسند کروں؟“

گل رخ نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا تمہارے نزدیک محبت کی حیثیت جوابی کارڈ کی ہوتی ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”جی ہاں تالی دونوں ہاتھوں سے جیتی ہے۔“

گل رخ نے سمجھتے ہوئے کہا۔ ”میری بہن تالی بچنے میں اور محبت میں بڑا فرق ہے۔ یا یہ کہہ دو صفائی کے ساتھ کہ تم خالد کو اس لیے پسند کرتی تھیں کہ وہ تم کو پسند کرتا تھا اور یہ محبت نہ تھی بلکہ ایک قسم کا السلام علیکم وعلیکم السلام تھا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”ممکن ہے یہی ہو مگر میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ خالد کی یہ باتیں سسے کے بعد میں اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی ن سے کہوں کہ ملکہ مجھے وقوں کر لیجئے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”دیکھو زبیدہ میں پھر تم سے کہتی ہوں کہ مجھ سے سچائی کے ساتھ باتیں کرو تا کہ ہم دونوں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ تم کو خالد کے حسن نے فریفت کیا تھا نا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں کیوں جھوٹ بول کر کہوں کہ یہ غلط ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اگر یہ صحیح ہے تو اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ خالد سے بھی زیادہ حسین نوجوان اس دنیا میں موجود ہیں۔ خالد میں بحیثیت مجموعی جو دلکشی ہے اس سے زیادہ دلکشی کا بھی امکان کسی اور میں موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم کو خالد سے وابستگی تھی اس کا اصل راز کیا ہے اور وہ کوئی خصوصیت ہے جو خالد کے علاوہ کسی اور میں ممکن ہی نہیں۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ان کی تمام خصوصیات صرف ان ہی تک محدود تھیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”سمجھتی تھی؟ یعنی اب نہیں سمجھتی۔ دیکھو اب مجھ سے سنو۔ تم کو ان سے دراصل دلچسپی نہ تھی بلکہ یہ دلچسپی خود اپنی ذات سے تھی اور اس لیے تھی یہ دلچسپی خالد سے کہ خالد کو تم سے دلچسپی تھی۔ اگر تم کو خالد سے زیادہ تم سے دلچسپی رکھنے والا کوئی مل جاتا تو خالد کی یہ خصوصیت تمہاری نگاہوں میں باقی نہ رہتی۔ خالد کو بھی تم سے اسی قسم کی سطحی دلچسپی تھی مگر جب میں ان سے ملی اور ان کو اندازہ ہوا کہ میں ان کی ذات سے زیادہ دلچسپی سے رہی ہوں تو جو دلچسپی تم سے تھی وہ منتقل ہو گئی میری طرف۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔“

گل رخ نے اس کو روکتے ہوئے کہا۔ ”پہلے میری پوری بات سن لو۔ تم نے مجھ سے سوال نہیں کیا ہے مگر میں خود تمہاری طرف سے سوال

کرتی ہوں کہ خود مجھ کو خالد سے کیوں دلچسپی ہوئی اور میں نے تمہارے حقوق پر ڈاک ڈالنے کی کیوں کوشش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مجھ کو خالد کے حسن 'خالد کی دلکشی' خالد کی ذہانت اور علمی خالد کی جامد زہی 'خالد کی دولت' خالد کی کابیت ان میں سے کسی چیز نے ہرگز متاثر نہیں کیا ہے۔ مجھ کو دراصل تلاش تھی ایک ہم خیال کی اور چونکہ میرے خیالات نہایت اچھے ہوئے اور دنیا سے کچھ نرالے ہیں لہذا مجھ کو اپنی اس جستجو میں کبھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نہ جانے کتنی خاک چھانٹنے کے بعد یہ حضرت مجھ کو ایسے ملے جن کو میں نے ہو بہو سیاسی پایا اور جتنا ہی ہم خیال دیکھا جتنا اور جیسا میں چاہتی تھی۔ وہ بھی میری طرف اس لیے متوجہ ہو گئے کہ دنیا کی ہر کشش سے زیادہ ہم خیالی کی کشش ہوتی ہے ورنہ تم مجھ سے زیادہ حسین و در دلکش ہو۔ تم سے ان کی وابستگی اس حد تک مستحکم تھی کہ روایت میں سہ سہا سوں کا قیام بھی ان کو ڈر گمانہ سکا۔" زبیدہ نے کہا۔ "میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں سوائے اس میں ایک بات کے کہ اب آخر تم میری باری ہوئی بازی کو کیوں جتنا چاہتی ہو اور میری وکالت کیوں کر رہی ہو؟"

گل رخ نے کہا۔ "یہ میں تم پر احسان نہیں کر رہی ہوں۔ بلکہ میرا خمیر مجھ کو حاست کر رہا ہے کہ میں خود غرضی میں جتنا ہوں میں ایم ندری کے ساتھ کوشش کرنا چاہتی ہوں کہ تم کو خالد کا اور خالد کو تمہارا ہم خیال بنانے کی کوشش کروں اور اس کوشش میں کامیاب ہو کر اپنی ناکامی میں بھی فاتحانہ شان پیدا کروں۔"

زبیدہ نے کہا۔ "مگر میں ملے کر چکی ہوں کہ اب تم دونوں کے درمیان سے ہٹ جاؤں گی۔" گل رخ نے کہا۔ "جلد بازی سے کام نہ لؤ مجھے کوشش کر لینے دو اگر میں اس کوشش میں ناکام ہو گئی تو صاف صاف تم سے کہہ دوں گی کہ تم اس طرف سے صبر کرو۔"

زبیدہ نے کہا۔ "تم سے زیادہ یہ بات خود خالد کہہ چکے ہیں اور جو کچھ آج میں نے سنا ہے اس کو میں اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سمجھتی ہوں میں نے تو اس وقت تم کو اس لیے یہاں گھیرا ہے کہ تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کروں میں نے اور خالد کے درمیان تم کو غلطی کا درجہ دیتی تھی جو غلط ثابت ہوا۔"

گل رخ نے کہا۔ "مگر یہ غلط کب ثابت ہوا یہ تو واقعی ہے۔ میری حیثیت واقعی غلطی کی ہے اور اپنی اسی حیثیت پر میں نادم ہوں بلکہ اپنی اس حیثیت کو جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ختم کرنے کی کوشش ہی کروں گی۔"

زبیدہ نے کہا۔ "مگر تمہارا کردار ہے عجیب و غریب اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ۔۔۔۔۔۔" گل رخ نے بات کاٹ کر کہا۔ "خیر اسے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرو میں نہ تم سے پوچھ کر یہاں آئی تھی نہ تم سے پوچھ کر خالد کو تم سے اتنی دور کیا نہ اب مجھ کو پوچھ کر تم دونوں کو پھر قریب لانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ سب کچھ خود بخود ہوا ہے اور آئندہ بھی جو کچھ ہوگا خود بخود ہوگا۔"

البتہ مجھ کو تمہارے تعادس کی ضرورت ہے اور تمہارے اس اعتماد کی بھی ضرورت ہے کہ میں نیک نیتی کے ساتھ تم کو خالد کے قریب لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”یہ مجھ کو مصلوم ہے مگر نہ جانے کیوں میرا دل اس خیرات کو قبول کرنے سے بغاوت کر رہا ہے۔“
گل رخ نے کہا۔ ”اس بیگانگی میں بھی بلا کی پچا لگت ہے۔ تمہاری موجودہ کیفیت کو شاعر نے یوں نظم کیا ہے کہ

محبت میں پہلے پرستاریاں تھیں
محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں

بہر صورت محبت باقی ہے پہلے یہ محبت تمہارے شعور میں تھی اب نحت الشعور میں ہے۔“

زبیدہ نے گویا طنز سے کہا۔ ”کس قدر کتابی باتیں کر رہی ہو گل بین۔ یہ باتیں لکھی جاسکتی ہیں دراصل ہوتی ذرا مشکل ہی سے ہیں۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے دل میں خالد کو حاصل کرنے کے لیے اب کوئی اسٹک باقی نہیں ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”ہے وہ اسٹک‘ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے وہ تمہاری نسائیت پر چھائی ہوئی تھی اب تمہاری نسائیت اس پر چھائی ہوئی ہے۔ تم ذرا دیکھو تو سہی کہ یہ باتیں کس خوبصورتی سے چھپنے ہیں بس تم اپنے کو میرے حوالے کر دو تا کہ میں تم کو خالد کے حوالے کرنے کے قابل بناؤں۔ بس اب میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ میری نیک نیتی اور میرے غلوں پر اعتماد کرو تا کہ ہم دونوں خالد کے خلاف سازش کر سکیں۔ چلا پ بہت دیر ہو گئی ہے۔ وہ حضرت واپس آنے والے ہوں گے۔“

آپ نے کچھ چلیوں کا کھیل تو دیکھا ہی ہو گا وہی کھیل آج کل ڈاکٹر خالد کے گھر میں گل رخ کھیل رہی تھی کہ خود تو پس پردہ تھی اور پردے کے سب سے زبیدہ کو اس کچھ پتلی کی حیثیت حاصل تھی جس کی ڈور گل رخ کی انگلیوں میں تھی جس کے اشارے پر یہ کچھ پتلی ناچ رہی تھی اور خالد کی حیثیت اس تماشائی کی تھی جو بجائے خود تماشا پس کر رہا تھا اور زبیدہ سے کتر آکر گل رخ کی طرف جانا چاہتا تھا مگر جدھر جاتا گل رخ کے بجائے زبیدہ ہی کو پا تا تھا گویا زبیدہ زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ

جہاں جائے گا ہمیں پائے گا

مگر زبیدہ کو اس بات کا صحیح اندازہ تھا نہ گل رخ صحیح طور پر اس سے واقف تھی کہ خود ڈاکٹر خالد پر ان دنوں کیا کیفیت گزر رہی ہے وہ اپنی شرافت نفس کے تحت یہ بھی نہ چاہتا کہ زبیدہ سے کوئی ایسا بے رخی برتے کہ اس کی دل شکنی ہو اور نہ یہ گوارا کر سکتا تھا کہ بجائے گل رخ کے زبیدہ اس پر تعینات رہے۔ اس کشمکش نے اس کو کچھ عجیب چڑچڑاسنا بنا رکھا تھا اور خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی سنبھالے مگر کیفیت یہ ہو کے رہ گئی تھی کہ چلتی ہوا سے ٹپنے کو اس کا جی چاہتا تھا۔ اس کے نزدیک ہوم میں اس کے ماتحت ڈاکٹر کپاؤنڈر اور نرسیں تک یہ محسوس کر چکی تھیں کہ

ڈاکٹر صاحب کی وہ خندہ پیشانی اور وہ بات بات میں گفتگو کی جیسے منہ سے پھول جھڑ ہے ہوں یا ایک رخصت ہو گئی ہے اور ن کا مزاج کچھ بدلا بد، سا نظر آتا ہے جیسے وہ کسی بیماری میں مبتلا ہوں جسے محسوس تو کریں ظاہر نہ کر سکیں۔ مطب میں مریضوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک وہ اگلا سا نہ تھا مثلاً آج ہی ایک قصہ خواہ مخواہ طویل کھینچ گیا۔ ایک صاحب اپنے بچے کو دکھانے لائے تھے کہ یہ بچہ پچھلے سال تک نہایت ذہین نہایت طباع اور ہر اعتبار سے صحیح الدماغ تھا مگر پچھلے سال جب اس کے امتحان کا نتیجہ نکل اور اس نے اپنا رول نمبر کا سبب طلبہ کی فہرست میں نہ پایا تو یہ یا ایک چپ رہ گیا اور ایک ہفتہ تک کسی سے کوئی بات نہ کی اس کے بعد سے اس کا یہ عام ہے کہ ابھی بات کہتے ابھی بھول جاتے گا۔ خود بخود مسکرتا رہے گا مسکراتے معلوم ہو گا کہ جیسے غموں کی بدی اس پر چھ گئی ہے۔ لہذا پڑھنے کھڑا ہو گا تو ایک ایک رکعت میں بعض اوقات گھٹنوں لگا دے گا اس لیے کہ الحمد پڑھے گا اور کہیں تک کر پھر شروع کرے گا پھر بھولے گا اور پھر شروع کرے گا۔ مختصر یہ کہ نہایت تفصیل سے انہوں نے بچے کی کیفیت بیان کی مگر جب ڈاکٹر نے اس بچے کو بد کر اس کا معائنہ شروع کیا تو یہ صاحب پھر سے قیام پکے ہوئی باتیں دہرانے لگے۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر خالد نے ان کو منع کیا کہ مریض کے سامنے یہ باتیں نہ دہرائے جو مریض کی عدم موجودگی میں آپ نہایت تفصیل سے سنا چکے ہیں پھر بھی یہ حضرت نہ مانے تو ڈاکٹر خالد نے ان کو پیچھا لے کر کہا کہ میں آپ کو منع کر چکا ہوں کہ یہ باتیں آپ مریض کے سامنے نہ کہیں ورنہ اس کی توجہ آپ کی اس باتوں کی طرف ہو جائے گی اور میں اس کی بے ساختگی سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں معلوم نہ کر سکوں گا۔ وہی مریض کے سامنے اس کی وہی کیفیت بیان کرنے کا نہایت معضراثر اس پر پڑتا ہے۔ مگر اس کے بعد بھی جب ڈاکٹر خالد اس بچے سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے یہ صاحب پھر بلا لے۔

”بعض اوقات یہ اس سے بھی زیادہ خوفناک آنکھوں سے مجھ کو در تمام گھر والوں کو دکھاتا ہے۔“

ڈاکٹر خالد نے جزبہ ہو کر کہا۔ ”جناب محترم میری رائے یہ ہے کہ اس بچے کو دراصل کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ آپ جس وہی غفلت میں مبتلا ہیں اس کا علاج اس کے علاج سے پہلے ہو جانا ضروری ہے۔“

وہ حضرت ایک دم چپ ہو کر بولے۔ ”جی! کیا فرمایا؟ میں وہی غفلت میں مبتلا ہوں۔ یعنی یہ نہیں بلکہ دراصل میں سنک گیا ہوں! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میری عادی وہی کا اعتراف تو میرے خاندان کے علاوہ میرے محکمہ کے تمام افسران ہمارا کو بھی ہے۔ حال ہی میں مجھے حسن کارکردگی کی سہلی ہے۔“

ڈاکٹر نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ”جی ہاں ملی ہوگی سند مگر اس قسم کے تمام مریض اپنے کو نہایت عالی دماغ ہی سمجھتے ہیں۔“ وہ حضرت ذرا تشویش سے بولے۔ ”مگر آپ پہلے ڈاکٹر ہیں کہ اصل مریض کے بجائے آپ مریض کے باپ کو پاگل کہہ رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”جی ہاں میری یہی خیال ہے کہ یہ اگر پاگل ہے تو آپ پاگل کے باپ ہیں۔“

وہ صاحب خالد کے اسسٹنٹ کے قریب آ کر بولے۔ ”دیکھئے صاحب میں اچھا خاصا ہوں اپنے بچے کو دکھانے آیا تھا یہ حضرت مجھ ہی کو پاگل سمجھ بیٹھے۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ ان کو ڈاکٹر کس چھتہ صحرائی نے بنا دیا؟“

اسسٹنٹ نے بے پردائی سے کہا۔ ”سچ کہتے ہیں آپ بڑے میاں اچھا بتائیے آج کون سا دن ہے؟“

وہ حضرت گھبرا کر بولے۔ ”کل جمعہ تھا لہذا جمعہ ہوا آج سنچر گویا پھر ڈے“

اسسٹنٹ نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا آپ تو بڑے قابل آدمی ہیں پھر ڈے بھی جانتے ہیں۔“

پاگل لڑکا ہوں۔ ”سٹرڈے سٹڈے منڈے“

وہ صاحب بولے۔ ”من لیا آپ نے اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔“

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ”تو اس نے کون سی خط بات کہی دنوں کی صحیح ترتیب بتائی ہے۔“

اسسٹنٹ نے کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب دنوں میں سے مریض کون سا ہے؟“

وہ صاحب بولے۔ ”یعنی آپ کو سمجھائی نہیں دیتا۔ آدے کا آدای بگڑا ہوا ہے۔ ماحول ولاقوۃ میں کہاں آ کر پھنس گیا۔ چوٹی“

اور یہ کہہ کر انہوں نے لڑکے کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔

ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر خالد نے اپنے اسسٹنٹ کو تمام حالات بتائے اور دونوں جیسے جیسے ٹوٹ گئے مگر اسی وقت خالد کو اپنے فرض کا احساس ہوا اور اس نے سسٹنٹ کو روڑا دیا کہ ”ان صاحب کو منع پچے کے لئے آؤ۔ بچے کو میرے پاس چھوڑ دو اور ان صاحب کو طبیعہ دے جا کر سمجھ دو کہ دماغی مریض کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنے سے اس کا دماغی توازن ڈاکٹر کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں مدد نہیں دے سکتا۔“

ڈاکٹر خالد نے اسسٹنٹ کو ادھر دوڑایا اور تنہائی میں بھی وہ اس لطیفہ پر دیر تک ہنستا رہا۔ مگر یکایک زبیدہ نے داخل ہو کر اس ہنسی کو ایب جذب کیا جیسے روشنائی پر یکایک جانتک ہبہ رکھ دیا جائے۔

زبیدہ نے آتے ہی کہا۔ ”لٹچ میر پر لگا دیا گیا ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”شکریہ مگر مجھے ابھی ذرا دیر لگے گی۔ میں ایک مریض کو دیکھنے کے لیے بلا چکا ہوں۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”اس قسم کا عذر آپ گل رخ سے تو کبھی نہ کرتے تھے۔“

خالد نے بیچ و تاب کھا کر اپنے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”اس میں تقابل کی کوئی ضرورت نہیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں آپ لوگ لٹچ کر لیں۔“

زبیدہ نے گویا روٹھ کر جاتے ہوئے کہا۔ ”جی نہیں سب مجھ کے پیٹھے رہیں گے آپ کے انتظار میں خواہ کتنا غصہ اسی کیوں نہ ہو

جائے۔"

زبیدہ تو پہلی گئی مگر خاند کو جلا کر کوئلہ کر گئی۔ ابھی جس لطیفے نے اس کو مدت کے بعد بنایا تھا اس لطیفہ کا اثر بھی ختم ہو کر رہ گیا بلکہ اگر اس وقت وہ صاحب جن سے خاند بھی نہایت گفتگو کے ساتھ الجھا تھا آ جاتے تو صورت حال نہایت ناگوار ہو جاتی۔ شکر ہے کہ تھوڑی دیر میں خالد کا اسٹنٹ مریض لڑکے کو بے کرا گیا اور خالد اس سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا اور نہ زبیدہ کی ان جلی کٹی باتوں نے اس کو بے حد رنجیدہ کر دیا تھا۔

زبیدہ ایک رظم خوردہ ناگن کی طرح اس کمرے میں پہنچی جہاں کھانے کی میز پر سب ڈاکٹر خالد کے منتظر تھے اور وہاں پہنچتے ہی وہ تو جیسے برس ہی پڑی گل رخ پر جا کر۔

"خود بخود ڈلیل کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں جو مصلحت ہے اس میں مجھے کسی اور پر نہیں مگر تعجب ہے تو فیصیح بھائی پر ہے کہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں سب کچھ جانتے ہیں اور کان پر جوں تک نہیں رہتی۔"

خاند کی داندہ نے کہا۔ "مگر کچھ پتہ تو چلے کہ ہوا کیا۔ کیا کچھ کہہ دیا خالد نے؟"

زبیدہ نے اسی شعلہ دار انداز سے کہا۔ "کہتے کیا؟ وہ ان کے کہنے سے ہزار کام چھوڑ کر آ جاتے تھے مجھ کو دیکھتے ہی ایک تو پھول سوچ کر رہ جاتے ہیں ابھی میں گئی ہوں تو اچھے خاصے بیٹے مسکرا رہے تھے مجھے دیکھتے ہی مہ پھل لیا اور کہنے لگے کہ مریض کو وقت دے چکا ہوں تم لوگ کھانا کھا لو۔"

فیصیح نے کہا۔ "ہاں ہاں تو مریض کو وقت دے چکے ہوں گے اس میں آخر اس قدر آگ بگولہ ہونے کی کون سی بات ہے؟"

خاند کی داندہ نے کہا۔ "بھریہ کہ اس میں گل رخ غریب کا کیا قصور ہے؟"

فیصیح نے کہا۔ "کچھ بھی نہیں میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ہوئی گئی ہے بے حد نارک حراج۔"

زبیدہ نے کمرے سے جاتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں بے حس ہو کر رہ جاؤں۔ مجھ کو مسلسل ٹھکرایا جائے اور میں محسوس بھی نہ کروں مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔"

اتنی زیادہ مشتعل تو زبیدہ کبھی نہ ہوتی تھی وہ اپنے اس غصے سے اس وقت سب ہی کو حیران کر گئی۔ مگر اس کے جاتے ہی گل رخ نہایت خاموشی سے اٹھ کر جائے لگی تو ڈاکٹر خاند کی داندہ نے کہا۔ "اب تم کہاں چلیں؟"

گل رخ نے کہا۔ "آئی میں اس بیوقوف لڑکی کو سمجھانے جا رہی ہوں۔" اور یہ کہتی ہوئی وہ سیدھی زبیدہ کے کمرے میں پہنچی جہاں زبیدہ ٹکیوں میں منہ دیے رو رہی تھی۔ گل رخ نے نہایت محبت سے کہا۔ "میری بھلی بھن خدا کے لیے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

زبیدہ نے اپنی اٹک آلود سرخ سرخ آنکھوں سے گل رخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بغیر کوشش کے میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں اور اب میں ہرگز اس کے بے تیار نہیں ہوں کہ اس وحشی انسان سے تو جبکی بھیجے۔ بائگوں۔ مجھے نفرت ہے اس شخص سے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تم کو نفرت نہیں ہے بلکہ تم اپنے کو محبت جیتنے میں ناکام سمجھے گی۔“

زبیدہ نے تیز آواز میں کہا۔ ”ہرگز نہیں میں کسی کی محبت جیتنا نہیں چاہتی۔ میں اسی دن سے اس شخص سے متنفر ہو چکی ہوں جب سے میں نے اس کی زبان سے اپنے متعلق جو اس کی اصل رائے ہے وہ سنی ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ یہ بات بھی تم کو اسی لیے تو بری لگی ہے کہ۔۔۔۔۔“

زبیدہ نے اس کو بات نہ کرنے دی۔ ”میں کچھ سننا نہیں چاہتی اور میں تم دونوں کے درمیان آنا نہیں چاہتی اگر نصیب بھائی یہاں سے نہیں جاتے تو میں چلی جاؤں گی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اس سے بہتر یہ ہے کہ میں چلی جاؤں اس لیے کہ یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔“

زبیدہ نے جلی کٹی سنانے کے انداز سے کہا۔ ”میں کسی سے کیوں کہوں کہ وہ جائے میرا کیا اختیار ہے اس گھر پر۔“

گل رخ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ ”اچھا اب تم اٹھو ہاتھ منہ دھو ڈالو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس گھر میں میرا آج کا دن آخری ہے۔ اٹھو نہ میری بہن میں تم کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں اب صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے جس خالد کو تم ہار چکی ہو اس کو تم جیت لو۔“

زبیدہ نے اپنے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”مجھ کو تم سے نہ کوئی شکایت ہے نہ میں تمہارا قصور سمجھتی ہوں بہتہ خالد کے لیے میرے دل میں

ایک نفرت بیٹھ چکی ہے اور میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس مغرور انسان کو اب ہرگز جیتنا نہیں چاہتی۔“

گل رخ نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”اپنے وقتی اشتعال میں ایسی باتیں زبان سے نہ لکاو میرے چائے کے بعد تم حار و خشک ہو جائیں گے۔ بس اب چلو نا گواری کو طویل دے کر سارے گھر میں کٹی پیدا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

اس وقت تو زبیدہ نے کچھ نہ کہا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر گل رخ کے ساتھ کھانے کے میز پر پہنچی گئی۔ جہاں ایک سٹائے کے عالم میں سب نے بیٹھ کر کھا نا کھا یا۔ خالد بھی اس عرصہ میں آچکا تھا اور وہ بھی سر جھکائے نہایت خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا کہ خالد کی والدہ نے نہایت بے موقع بات چھیڑ دی۔

”خالد میاں تم نے اس وقت زبیدہ کو کیوں رنجیدہ کیا ہے؟“

خالد جو والدہ اٹھ چکا تھا دو ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رو گیا اس نے حیرت سے کہا۔ ”میں نے رنجیدہ کیا ہے؟ آخر کس بات سے؟ مجھے تو یہ نہیں

ایسی کوئی بات۔ آپ ہی ان سے دریافت کیجئے کیا کہا تھا میں نے یا کیا گستاخی سرور ہوئی ہے مجھ سے؟ سبت اگر کسی کو خود ہی جتنے بھٹنے کا شوق ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ پوچھئے ان سے کہ میں نے کیا کہا ہے؟“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”میں تو جب پوچھوں کہ تم نہ پوچھ سکتے ہو۔“

نعیم نے کہا۔ ”کچھ بھی نہیں خالد بھائی تم کھانا کھاؤ۔ یہ بات میں ان سے پوچھوں گا۔“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اس کی ایسی ہی دل آزاری ہوئی ہے کہ آج وہ میرے سامنے بھی اپنے کو کاہلو میں نہ رکھ سکی میں نے تو کبھی یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ زبیدہ بھی غصہ کر سکتی ہے اور اتنا غصہ۔“

خاند نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”مگر کس بات پر کیا ہے غصہ؟ یہ تو معلوم ہو۔ انہوں نے مجھ سے جا کر کہا کہ کھانا گارہ گیا ہے۔ میں ایک لڑکے کا معائنہ کرنے کو کمرے میں جا چکا تھا لہذا میں نے کہا دیر میں آؤں گا آپ لوگ کھا لیجئے کھانا۔“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”اچھا خیر تم کھانا کھاؤ۔ بعد میں ہوں گی یہ باتیں۔“

خاند نے ہاتھ کاٹوالہ رکھ کر پانی پیتے ہوئے کہا۔ ”کھانا تو میں کھای چکا ہوں مگر میں تو خود چاہتا ہوں کہ یہ بات اراصفائی وروضہ صحت سے ہو جائے اس لیے کہ اگر مجھ کو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے گھریلو جھڑوں میں جکڑ رکھا گیا تو میں حاضر دماغی سے وہ کام نہیں کر سکتا جو میں نے پھیلا رکھا ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”آپ بھی کس کرتے ہیں ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ امتحان بچپن کے سوا اور دھڑائی کیا ہے ان باتوں میں؟“

خاند نے کہا۔ ”جی نہیں یہ حقائق بچپن نہیں ہے بلکہ نہایت بالغ حماقت ہے میں اس سلسلے میں آپ سے بات کروں گا نعیم بھائی“ اور یہ کہتا ہوا دو میز سے اٹھ گیا تو نعیم نے خالد کی والدہ سے کہا۔

”آئی آپ نے بے کار اس وقت یہ ذکر چھیڑا ہے ان سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”میں جانتی ہوں کہ اس سے کھانا نہیں کھایا گیا مگر تم کو کیا معلوم کہ ان صاحبزادی کے طرز عمل سے خود مجھے کس قدر دکھ پہنچا ہے۔ یہ بھوں گئی ہیں کہ میری حیثیت ان کے لیے خالد کی نہیں بلکہ ماں کی ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”آئی یہ آپ مجھے اطلاع دے رہی ہیں؟“

وہ کچھ اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ خالد نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ”نعیم بھائی ذرا آپ میرے پاس آ جائیے۔“

نعیم بھی اٹھ کر ہاتھ دھونے کے بعد سیدھا اسپتال کے باغیچے میں پہنچ گیا جہاں ڈاکٹر خالد اسی حوض کے کنارہ ٹھہر رہا تھا جہاں یہ آتش

نشاں ابد تھا کہ خاند نے گل رخ سے جو باتیں کی تھیں وہ زبیدہ نے سن لی تھیں۔ خالد نے نعیم کو دیکھتے ہی کہا۔

”نعیم بھائی! آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے دل کی بات آپ کے علاوہ کسی سے نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ میری بات آپ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔“

نعیم نے اس ناگواری کو خوشگوار بنانے کے لیے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ ”ولی را ولی می شناسد“ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ دراصل اس قصہ میں زبیدہ کا بھی سوائے اس کے اور کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ ہمارے خاندان کی روایتی لڑکیوں کی طرح احمق ہے۔ اس کو بچپن سے ایک نہایت لغو بات سمجھ دی گئی تھی جو اب اس کو ناممکن نظر آ رہی ہے۔“

خاند نے کہا۔ ”آپ کا قطع کلام مگر قصور میرا بھی ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”جی ہاں وہ قصور کچھ اس قسم کا ہے کہ

”آنکھوں کا قصور چھری دل پہ چل گئی“

خاند نے چلبلا کر کہا۔ ”استغفر اللہ! کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔“

نعیم نے کہا۔ ”سنجیدہ معاملات میں جتنا چاہوں مجھے سنجیدہ بنالو مگر یہ سنجیدہ بات ہی نہیں ہے۔ بھی تمہارا یہ دہم بھی نہایت حقاقت تھا کہ تم مجھ کو صرف زبیدہ کا بھائی سمجھ رہے تھے حالانکہ میں تمہارا عزیز ہونے کے علاوہ دوست بھی ہوں اور اگر میں صرف زبیدہ کا بھائی بھی ہوتا تو اس بات سے بے حد خوش ہوتا کہ تم زبیدہ کو زندگی بھر کا دھوکہ دیتا نہیں چاہتے بلکہ اس کے سامنے بے نقاب ہو گئے ہو۔“

خاند نے کہا۔ ”کمال کرتے ہیں آپ بھی نعیم بھائی جو کچھ مجھ کو کہتا چاہیے تھا وہ آپ کہہ رہے ہیں۔“

نعیم نے کہا۔ ”میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تو یہ بات اس وقت سے معلوم ہے جب تمہاری ورگل رخ کی نگاہوں میں یہ بات ہوتی ہو اظہار میں نہ آئی تھی ورنہ یہ بھی معلوم ہے کہ آج کل گل رخ کس دیوانگی میں مبتلا ہیں میں اس کو نہایت رکھتا ہوں نہ خصوصاً میری اصطلاح میں اس کو صرف دیوانگی کہتے ہیں۔“

خاند نے کہا۔ ”میں گل رخ کے کردار کو سمجھنے سے قاصر ہوں اس کی اسی کوشش نے صورت حال کو خراب کر رکھا ہے کہ وہ زبیدہ کو زبردستی مجھ سے قریب کرنا چاہتی ہے۔“

نعیم نے گویا بڑی بیگانگی سے کہا۔ ”خیر آپ جانیں آپ کی گل رخ جانیں اور بی بی زبیدہ جانیں ہم تو سب ہی کے نیاز مند ہیں۔“

نرس نے آکر بتایا کہ پولیس والے ایک بڑے کو پکڑ کر لائے ہیں لہذا خالد نرس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اس معاملے میں، پناہم خیاں بنالیا تھا۔ ورنہ میری لڑکی اس قسم کی بے حیا ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی سے شادی کرنا چاہے۔“

خاندان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”درست فرماتے ہیں آپ۔ ہاں تو سب انسپکٹر صاحب اپھر کیا ہو؟“

سب انسپکٹر نے بیان جاری رکھا۔ ”ہمارے حکیم صاحب قبلہ بوجہ اس نسبت کی تائید میں نہ تھے بلکہ کسی اور ہی سے شادی کرنے کے ورپے تھے۔ اس نے بے حد کوشش کی، سخت احتجاج کیا مگر حکیم صاحب قبلہ پرانی وضع کے بزرگ ہیں آپ کو کچھ ضد ہی ہو گئی تھی۔“

بڑے میاں نے کہا۔ ”پھر وہی ضد‘ حضور والا یہ ضد ہرگز نہ تھی۔ بلکہ میرے لیے یہ مرجانے کا مقام تھا کہ جہاں میں چاہوں وہاں میری لڑکی شادی نہ کرے ورنہ جہاں وہ چاہے وہاں میں اس کی شادی کروں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر شادی اس کی وہیں ہوگی جہاں میں چاہتا ہوں۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”چھ ضد نہ سہی بلکہ وہی سہی جو آپ فرما رہے ہیں تو صاحب تہجد اس کشمکش کا یہ ہوا کہ اس لڑکی کے دماغ پر شدید اثر ہو گیا اور وہ گھر سے غائب ہو گئی۔ مگر بھانے اور جند صاحب کے یہاں جانے کے وہ اپنی دھس میں نہ جانے کہ دھڑل گئی اب وہ یہ کرتی تھی کہ جو کوئی بھی اس کو مل جاتا تھا اسی کو اپنی ہاتوں سے موہ لیتی تھی اور کہتی تھی کہ بس آپ ہی میرے ہم خیاں اور ہم مذاق ہیں مجھے جس خصوصیت کی تلاش تھی وہ آپ ہی ہیں۔ مگر ان حضرات نے اس کو ڈھونڈ نکالا۔“

بڑے میاں نے ٹوکا۔ ”حضرات غلط حضرت کہئے۔ میں نے ان صاحبزادے کو صرف اس مرتبہ اپنے ساتھ لیا ہے اور اب میں اس لڑکی کے ہاتھوں عاجز آ کر اس بات پر تیار ہوا ہوں کہ اگر وہ انہی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے تو کرے شادی اور جائے جہنم میں میری طرف سے۔“

خاندان نے کہا۔ ”مگر میرا خیال ہے کہ صرف اتنی ہی بات نہ ہوگی بلکہ اس لڑکی کو شدید ذہنی کوفت میں مبتلا کیا گیا ہوگا۔ جس نے رفتہ رفتہ اس کا دماغی توازن کھو دیا۔“

درجند نے کہا۔ ”جی ہاں یہ درست ہے۔ ایک تو اس کی مرضی کے خلاف ایسی جگہ اس کی شادی ٹھہرائی جا رہی تھی جہاں شادی کرنے سے مرجانا اس کو گوارا تھا۔ دوسرے دن رات کے طعن کھینچ سے اس کی زندگی عذاب کر دی گئی تھی۔ وہ کھانا پینا چھوڑ چکی تھی۔ مہینوں اس کو خیند نہیں آئی۔ وہ ہر وقت ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی تھی اور ان حالات نے اس کو ایسا بیمار کر ڈالا کہ۔۔۔۔۔“

”ایک مرتبہ شدید بخار میں سرسامی کیفیت جو طاری ہوئی تو بخار اترنے کے بعد ہی وہ یکسر بدن چلی تھی۔ اب وہ افسردہ رہنے کے بجائے ہنستی تھی‘ خاموش رہنے کے بجائے باتیں کرتی تھی۔ خود حکیم صاحب قبلہ سے اپنی ہی شادی کے متعلق بے جھجک باتیں کرنے لگی تھی۔ اب اس میں نہ وہ شرم تھی کہ باپ کے سامنے زبان نہ کھولے نہ وہ جھجک تھی کہ اپنی شادی کے متعلق اعلیٰ رخیال نہ کرے۔ اسی عالم میں وہ کئی

مرجہ گم ہوئی اور مل گئی۔ مگر اب جو گم ہوئی ہے تو اب تک اس کا پتہ نہیں چلا ہے۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس نے کسی کو ہمیشہ کی طرح یہ یقین دے دیا ہے کہ مجھ کو تمہاری ہی جستجو تھی اور تم ہی دنیا میں واحد انسان ہو جو میرے ہم خیال اور ہم مذاق مجھ کو ملے ہو۔“

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ”میں اب بالکل سمجھ گیا ہوں کاش وہ لڑکی میرے پاس آ جاتی اور میں اس عجیب و غریب پاگل لڑکی کا علاج کر سکتا۔“

سب انسپٹر نے کہا۔ ”ممکن ہے آئندہ کبھی وہ لڑکی آپ کے پاس آ جائے تو آپ ہم لوگوں کا پتہ نوٹ کر بیچے تاکہ آپ ہم کو مطلع کر سکیں۔“

یہ کہہ کر سب انسپٹر نے خود ہی ایک کاغذ پر حکیم صاحب کا اور خود اپنا پتہ لکھ کر ڈاکٹر خالد کی میز پر رکھ دیا۔ مگر قبل اس کے وہ ڈاکٹر سے رخصت ہوں۔ اندر سے نعیم صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور ان لوگوں کی موجودگی کا خیال کئے بغیر ڈاکٹر سے پوچھا۔

”گل رخ آپ کے پاس تو نہیں آئی۔ اس کا کمرہ خالی ہے کمرے کا تمام سماں من و عن موجود ہے۔ صرف اس کا اپنی نہیں ہے اور میز پر زبیدہ کے نام ایک پرچہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا ہے کہ میں حسب وعدہ جا رہی ہوں اور دعا گو ہوں کہ تم کو خاندان از سر نو مل جائیں۔“

خاند نے یک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”مگر ابھی تو میں اس کو گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں۔“

نعیم نے کہا۔ ”جی ہاں مگر اب زبیدہ نے بتایا ہے کہ وہ کہہ چکی تھی کہ میرا اس گھر میں یہ آخری دن ہے۔“

خاند نے کہا۔ ”وہ اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے ہم کو جلدی کرنا چاہیے۔ سونہ نکلوائے وہ زیادہ سے زیادہ شیش تک پہنچی ہوگی۔ افسوس کہ زبیدہ کی نا سمجھی نے اسے ہاتھ سے گٹوا دیا۔ نعیم بھائی دیر نہ کیجئے سونہ نکلوائیے۔“

سب انسپٹر نے کہا۔ ”میری جیب موجود ہے ممکن ہے کہ ہم سب کو ایک ہی شخصیت کی تلاش ہو۔ اس لڑکی کا نام بھی گل رخ ہی ہے ڈاکٹر صاحب۔“

ڈاکٹر نے سب انسپٹر کی طرف یہ بات سنی کہ جیب موجود ہے اور وہ اس ہی سب کے ساتھ جیب پر اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

گل رخ کی تلاش میں ان سب کو آج تیسرا دن ہے ایک اسٹیش کیا شہر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ صرف خاند ہی نہیں بلکہ نعیم بھی دیوانہ وار ہر طرف اس کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ خالد کے ہمراہ سب انسپٹرز ارجمند اور حکیم صاحب ہیں۔ نعیم کے قبضہ میں خاند کی کار ہے جس پر کبھی وہ جب ڈھونڈنے نکلتا ہے کبھی زبیدہ اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اسپتال اور نرسنگ ہوم کو خالد کے اسٹیشنوں نے سنبھال رکھا ہے۔

خالد کی والدہ پر گل رک سنے اتنے ہی دنوں میں نہ جانے کیا جادو کر دیا تھا کہ وہ جب سے اور کھانا پینا حرام کئے ہوئے ہیں اور وہ رہ کر یہی کہتی ہیں کہ زبیدہ کی نا کھجی نے اس غریب سے یہ گھر چھوڑا دیا اب نہ جانے وہ کہاں ہوگی اور اگر وہ نہ ملی تو خالد کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ نعیم تو زبیدہ کی کافی خبرے چکا ہوتا مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ زبیدہ خود بے حد مشتعل بھی ہے اور پریشان بھی بلکہ اگر کبھی نعیم اس تلاش سے تھک کر واپس بھی آنا چاہتا تھا ور زبیدہ ساتھ ہوتی تھی تو وہ اس کو ایک آدھ جگہ اور لے جاتی تھی۔ یہ لوگ تو روزانہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر شام کو واپس بھی آ جاتے تھے مگر خالد تو جس دن سے گیا تھا واپس ہی نہ آیا تھا اور اب خالد کی والدہ کو گل رخ کے علاوہ خود اس کی بھی فکر تھی کہ نہ جانے وہ گل رخ کو ڈھونڈتا کہاں نکل گیا اور اس کے نہ ملنے کی صورت میں اللہ جانے وہ کیا کر گزرے بلکہ آج تو نعیم سے بھی ضد کر رہی تھی کہ میں بھی اس کی تلاش میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور شاید نعیم کو لے جانا ہی پڑتا ان کو کہ کئی دن کی تنگ دود کے بعد تھکے ہارے یہ سب کے سب ناکام واپس آ گئے۔ خالد نے جو اس عرصے میں اپنے چہرے پر کافی وحشت برسا چکا تھا۔ نعیم سے صرف یہ کہا کہ بن صاحبان کے قیام اور آرام کا بندوبست کر دیجئے اور خود نہایت بچھے ہوئے انداز کے ساتھ اپنے مطلب میں جا کر اس بینڈ پر حکم سے چور گر پڑا جس پر وہ مریضوں کو ناکارہ دیکھتا تھا۔ خالد کی والدہ نے جب اس کے آنے کی خبر سنی تو وہ خود ہی مطلب میں آ گئیں اور ماما کے جوش میں اس کا سر سہل کرنے جانے کیا کہنا چاہتی تھیں مگر کہا یہ کہ

”بیٹا میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ ضرور مل جائے گی تم ذرا ہمت اور حوصلے سے کام لو۔“

خالد نے بچھے ہوئے انداز سے کہا۔ ”اگر وہ مل بھی گئی تو کیا ہوگا اس گھر میں جو اس کی قدر افزائی ہوئی ہے کیا اس کے بعد بھی میں اس سے اس گھر میں آنے کے لیے کہہ سکوں گا۔“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”تم نہ کہنا میں کہوں گی اور میں جانتی ہوں کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے مگر میرا کہنا نہیں ٹال سکتی ایک نا سمجھ اور بیوقوف لڑکی سے جو غلطی ہوئی ہے اس کی سزا وہ مجھے نہیں دے سکتی۔ اچھا اب تم اٹھو نہ ہادھو کر آؤ میوں کی صورت ہو کچھ کھانی لو تاکہ اس کو تلاش کرنے کی ہمت تم میں تازہ ہو سکے۔ اٹھو نا میں کیا کہہ رہی ہوں!“

خالد خاموشی کے ساتھ اٹھا اور اندر جا کر اس نے تین دن کا بڑھا ہوا شیو کیا غسل کر کے کپڑے بدلے اور ہار گیا جہاں چائے پر سب اس کے منتظر تھے۔ یہ سب ہی نہادھو کر تازہ دم ہو چکے تھے اور سب سے زیادہ بیٹاش حکیم صاحب نظر آ رہے تھے جو خالد کو دیکھتے ہی بولے۔

”ڈاکٹر صاحب میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پریشان صرف ہم لوگ ہیں جہاں تک ان صاحبزادی کا تعلق ہے وہ نہایت مطمئن ہوں گی اور اب کسی اور کو اس فلفلہ فہمی میں جتلا کر رہی ہوں گی کہ وہی ایک ایسا انسان ہے جس کی ان کو جستجو تھی اور صرف وہی نہ کو اپنا ہم خیال طا

ہے اور چونکہ یہ باتیں وہ نہایت معقویت سے کہہ رہی ہوں گی لہذا ان کے اس دماغی خلل کی طرف آپ کی طرح اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ جیسے ہر امراض دماغ اس کو صحیح دماغ سمجھتا رہا تو کسی اور کیا ذکر؟“

خاند نے کہا۔ ”حضور! پہلے یہ تو طے ہو جانے دیجئے کہ جن کو آپ تلاش کر رہے ہیں اور جن کی میں جستجو کر رہا ہوں وہ ایک ہی ہیں۔ مجھے اب تک یہ یقین ہے کہ نام کی یکسانیت سے آپ کو دھوکہ ہوا ہے ورنہ میں کیسے کہہ دوں کہ جس طرح گل رخ کو میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ وہی آپ وہاں گل رخ ہے جس کا بقول آپ کے دماغ درست نہیں ہے۔“

سب اسپیکر نے یک دم چونکتے ہوئے کہا۔ ”راحول! واقف خواہ مخواہ اتنے دن اس بات کو طول دیا گیا حالانکہ ارجمند صاحب کے پاس ان محترمہ کی تصویر بھی ہے۔ ارجمند صاحب وہ تصویر دکھائیے ڈاکٹر صاحب کو۔“

حکیم صاحب نے ارجمند کو دکھانے والی نگاہوں سے گھور کر کہا۔ ”جواب نہیں ہے آپ کا بھی برخورد اور پھر اگر میں آپ کو قیمتی حقل کہوں گا تو برا نہیں کہ اب مجھے مگر اس پریشانی میں خیال نہیں آیا کہ واقعی تصویر تو موجود ہے۔“

ارجمند نے اپنے پرس سے تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ ”پریشانی میں سب ہی کے ذہن سے یہ تصویر اتر گئی تھی۔“ جس وقت اس نے ڈاکٹر خالد کی طرف وہ تصویر بڑھائی ہے۔ نعیم بھی اپنی کرسی چھوڑ کر اسی کے پاس آگئے اور تصویر دیکھ کر دونوں بہک وقت گویا چٹا سے پڑے۔ ”وہی تو ہے۔“

حکیم صاحب نے نہایت اطمینان سے ایک دس گلمنہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تو یقین بلکہ یقین کامل تھا۔ وہ گل رخ سوائے گل رخ کے اور کوئی گل رخ نہیں ہو سکتی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ارجمند صاحب ذرا سمجھائیے میرا کیا مطلب ہے۔“

ارجمند نے کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے ہیں جو کچھ آپ کا مطلب ہے۔“ خاند تصویر ہاتھ میں لیے غرق حیرت تھا اور نعیم کو بھی اس سے کمرعجب نہ تھا۔ آخر اس نے اس استغاب سے چونکتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ سچ ہے کہ گل رخ دیوانی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی بھی صحیح دماغ نہیں ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”ایک بات بھی تو دیوانگی کی نہیں تھی۔ نہایت ذہین نہایت طباع اور نہایت نکتہ چیں ثابت ہوئی ہیں وہ تو یہاں۔“ خاند نے کہا۔ ”سوائے اس کے اب جو میں شروع سے آخر تک یعنی اس وقت سے جب اچانک وہ میری شریک سفر بنی۔ اور اس وقت تک جب تک وہ یہاں سے گئی ہیں ان تمام حالات پر غور کرتا ہوں تو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ایک عجیب و غریب مزاج کی خاتون تو ضرور تھیں مگر ان کے مزاج کی اس کیفیت کو دیوانگی سمجھنا میری سمجھ میں اب تک نہیں آ رہا ہے۔“

حکیم صاحب نے تعجب سے کہا۔ ”یعنی میرے کہنے کے بعد بھی۔ حالانکہ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ میں گل رخ کا باپ ہوں اور اپنی

”جی کو آپ سب سے زیادہ میں خود سمجھتا ہوں۔“

خاند نے کہا۔ ”آپ فرما رہے ہیں تو درست ہی ہوگی یہ بات مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ تو پاگل ہیں مگر میں تو پاگل نہیں ہوں جو ان کے بے جذبات کی رو میں اس حد تک آگے بڑھ گیا ہوں کہ اب میں اپنے آپ کو داپس لانا چاہوں تو ہرگز نہ لاسکوں گا۔“

حکیم صاحب نے نہایت مدبرانہ طور پر اس سے کہا۔ ”اس بات کا تعلق مجھ سے زیادہ ان صاحبزادے یعنی ارجمند صاحب سہ سے ہے جو خود بھی جذبات کی رو میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ خود تو احمق ہی رہے اس غریب کو پاگل کر دیا۔“

خاند نے کہا۔ ”اب میرے دل میں ایک عجیب سنگ پیدا ہو رہی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مل جائے اور میں اپنے فن کے تمام کائنات اس کے علاج پر صرف کروں۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میں نے دماغی امراض کے معالج کو اپنا مخصوص فن شاید اسی کے لیے بنایا تھا۔“

حکیم صاحب نے کہا۔

”اور میں بھی بحیثیت ایک طبیب کے جو طبیب ہونے کے علاوہ مریمہ کا والد بھی ہے یہ کہتا ہوں کہ گردہ مل گئی تو آپ کو یا مجھے کسی کو اس کے علاج کی ضرورت پیش نہ آنے گی۔ وہاں برخورد دار کو دیکھتے ہی اور یہ فیصلہ سنتے ہی کہ میں اس سے اس کی شادی کرنے پر رضامند ہو گیا ہوں بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔“

خاند نے کہا۔ ”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اب میں اس کی دماغی صحت کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا اور اب مجھ کو اس کی جستجو اس لیے درجی ہوگی کہ میں اس کا علاج کر کے خود اپنے فن کی آزمائش کر سکوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”پھر وہی میں عرض کر رہا ہوں کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے گی میں بھی آخر طبیب ہوں اور مریمہ اتفاق سے میری دختر بھی ہے جس کا میں بخوبی اندازہ کر چکا ہوں اور میری قلعی رائے یہ ہے کہ اب کی بار اگر وہ مل گئی تو اس کے مرض کا بس یہی علاج کافی ہوگا کہ میں اس سے کہہ دوں گا کہ میں ارجمند سے تمہاری شادی کرنے پر تیار ہوں۔ پھر یہ صاحبزادے جانیں درودہ سرکش لڑکی جانے۔“

خوب گزرے کی جوں بیٹھیں گے دیوانے دو

”یہ حضرت بھی کچھ کم پاگل نہیں ہی اور بحیثیت ایک طبیب کے میری رائے ان کے متعلق بھی یہی ہے کہ اگر ان کی کھوپڑی میں واقعی دماغ موجود ہے جس کی طرف سے مجھے شبہ ہے تو وہ دماغ نہایت ناقص قسم کا ہے۔“

اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور حکیم صاحب کا یہ خطبہ ختم ہو گیا۔ خاند نے ٹیلیفون کے کرسٹل کو دے دیا کہ آپ کا ٹیلیفون ہے سب انسپکٹر نے ٹیلیفون پہ جو باتیں شروع کیں ان باتوں نے سب ہی کو ٹیلیفون کے گرد جمع کر دیا اس لیے کہ اس نے ٹیلیفون سنتے ہی کہا۔

”جی ہاں جی ہاں بس تو ذرا اب نگرانی رکھئے ہم لوگ ابھی روانہ ہو کر پہنچتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں سے بھی چل دیں۔ جی ہاں بس روانہ ہی ہو رہے ہیں۔“

اس نے ٹیبلٹوں رکھتے ہی کہا۔

”بچتے صاحب مہارک ہو وہ اہل گنی ہیں اور اس وقت جہا نکیر کے مقبرہ میں ایک صاحب کے ساتھ چٹک فرما رہی ہیں۔“
یہ سنتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور جس طرح بیٹھے تھے اس طرح کچھ سب انسپکٹر کی جیب پر اور کچھ خالد کی گاڑی پر جہا نکیر کے مقبرہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سب انسپکٹر کے ایک دوست دوسرے سب انسپکٹر صاحب باہر ہی ان کے منتظر تھے۔ یہ سب ان کے ساتھ ہی اندر پہنچے جہاں گل رخ ایک صاحب سے منہی باتیں کر رہی تھی۔ خالد کو دیکھ کر اس نے نہ اپنے چہرے پر گھبراہٹ پیدا کی نہ وہ چونکی بلکہ اس طرح گویا کئی بات ہی نہ ہونہایت چپاک سے بولی۔ ”اوہ خالد تم ان سے ملو یہ میرے دوست مسٹر۔۔۔۔۔ مسٹر کیا نام بتایا تھا آپ نے؟“

ان صاحب نے کہا۔ ”میر نام رضوان ہے۔“

گل رخ اس عرصے میں حکیم صاحب اور ارجمند کو بھی دیکھ چکی تھی مگر ان کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوئی تھی۔ ”خداوند نے اس سے گھر چلنے کو کہا تو وہ اس طرح“ ”مادہ ہو گئی گویا اس کو کوئی عذر ہی نہ تھا بلکہ اس نے رضوان کو یہ کہہ کر حیران کر دیا۔“ ”چھ تو مسٹر رضوان پھر ہوگی“ آپ سے ملاقات۔ میں ڈاکٹر خالد کے یہاں آپ کو مل سکوں گی۔ خدا حافظ“

وہ حضرت مند دیکھتے ہی رہ گئے اور گل رخ خالد کے ساتھ منہی ہنسی بولتی موسم کی خوشگوار اور اس جگہ کی دل فریبی کی باتیں کرتی ہوئی سو فر میں آ کر سوار ہو گئے۔ حکیم صاحب اور ارجمند حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے ان دونوں کا ٹولس ہی نہیں لیا۔

ڈاکٹر خالد کے گھر میں آج کل حکیم صاحب اور ارجمند اس طرح مہمان تھے کہ ان پر مہمان ہونے کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ کچھ تو اس گھر کی معاشرت ہی ایسی تھی اور کچھ حکیم صاحب بے حد بے تکلف قسم کے آدمی واقع ہوئے تھے نتیجہ یہ کہ اس گھر کے افراد ہی میں شامل ہو کر رہ گئے تھے۔ گل رخ حکیم صاحب کو پہچان چکی تھی مگر ارجمند کو اس نے سخت مایوس کیا تھا کہ جیسے کبھی کی صاحب سلامت بھی نہ تھی۔ حکیم صاحب کو بھی اس نے جس حد تک پہچانا تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حکیم صاحب کو بڑی امید تھی کہ جب وہ گل رخ سے یہ کہیں گے کہ اب مجھ کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تم ارجمند سے شادی کر لو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرف سے مایوس ہو کر اس کے دماغ کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ یکا یک دور ہو جائے گا مگر ہوا صرف یہ کہ حکیم صاحب نے نہ جانے کتنی تیاریوں کے بعد جب یہ بات گل رخ سے کہی تو وہ مارے ہنسی کے لپٹی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ حکیم صاحب اس کی اس کیفیت کو بھی فطور مسرت ہی سمجھے مگر اس نے باہر آ کر اپنی ہنسی پر ہلکے

قابو پانے کے بعد خاند سے کہا۔

”سنا آپ نے خاند صاحب میرے والد محترم نے میری شادی طے کر دی ہے اور یہ صاحب جو آپ کے پاس بیٹھے ہیں، ان کو اپنی خدائی میں لینا قبول کئے بیٹھے ہیں گویا۔“

خاند کے علاوہ نعیم اور ارجمند سب ابھی حیران ہی تھے کہ حکیم صاحب بھی تشریف لے آئے اور غالباً یہ بھوں کر کہ گل رخ کس دفاعی کیفیت میں مبتلا ہے، اپنے والدان حقوق سے کام لیتے ہوئے بولے۔ ”میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ نہ میرا اور تمہارا کوئی مذاقی کارشت ہے نہ میں اپنی ولاد کا یہ گستاخانہ قسطنطین برداشت کر سکتا ہوں۔“

گل رخ نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ ”اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کا یہ قسطنطین برداشت کر لوں کہ میری طرف سے جو نکاح آپ چاہیں قبول کریں اور میں اس پر ہر تعہد بقی ضبط کر دوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”مگر یہ نامعقول انتخاب میرا نہیں بلکہ خود تمہارا ہے جس پر اب میں بادل ناخواستہ آمادہ ہو گیا ہوں۔“

گل رخ نے نہایت مضطرب متانت سے کہا۔

”مگر اسوس یہ ہے کہ میں ہاوس ناخواستہ بھی آمادہ نہیں ہو سکتی اور یہ بھی یقیناً آپ کی غلط فہمی ہے کہ یہ انتخاب میرا ہو سکتا ہے۔ میں ان محترم سے واقف نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بے چارے کون ہیں کیا ہیں اور کیوں ہیں۔“

حکیم صاحب نے مبہوت رہنے کے بعد کہا۔ ”العجب فہم العجب یعنی صاف دیکھ رہی ہو کہ یہ ارجمند ہیں۔“

گل رخ نے بدستور غلغلگی کے ساتھ کہا۔

”تہا ارجمند بھی میں نے آج ہی سنا ہے فرزند ارجمند تو ایک چیز ہوتی ہے مگر یہ صرف ارجمند واقع ہوئے ہیں۔ جناب اچھا خیر اگر ہیں بھی، ارجمند تو میں کیا کروں۔ معاف کیجئے ارجمند صاحب آپ کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے اور اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے بلکہ والد صاحب نے چونکہ آپ ہی کو موضوع سخن بنا دیا ہے لہذا میں مجبور ہوں کہ آپ کی موجودگی کو عدم موجودگی فرض کر کے اپنی ایماندارانہ رائے کا اظہار کرتی رہوں۔ ورنہ آپ میرے بے سخت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”اس قسم کے غلط خلاق کی میں قائل نہیں ہوں جس سے کوئی غلط فہمی نشوونما حاصل کرتی رہے۔ آپ خود نصاب کیجئے کہ شادی جو بھوں کا کھیل نہیں ہے وہ ماں باپ کا کھیل کیسے بن سکتی ہے۔ ایک دوسرے سے دو قطعی طور پر اجنبی ایک دوسرے کے زندگی بھر کے ساتھی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ انسان یک کھونا بھی خریدتا ہے تو اپنے مذاق کے معیار پر اس کو جانچی لیتا ہے۔ یہاں صورت یہ ہے کہ میں آپ سے واقف نہیں آپ مجھ سے ناواقف۔“

اور جھوٹے بات کاٹ کر کہا۔

”جی نہیں میں تو آپ سے غلطی واقف ہوں۔“

گل رخ نے ترکی یہ ترکی کہا۔

”جس حد تک آپ مجھ سے واقف ہیں اس کو یہ خوف سے زیادہ بہتونی کہتے ہیں۔ آپ سے یہ بات سن کر مجھ کو کوئی تعجب نہیں ہوا اس

پے کہ آپ کے چہرے کی جو ساخت ہے اس سے مجھ کو آپ سے اس قسم کی سچی بات کی امید ہو سکتی تھی۔ آپ غائب میرے متعلق یہ جانتے

ہوں گے کہ میں یک لڑکی ہوں اور چونکہ میں ایک لڑکی ہوں لہذا میری ایک لڑکے سے شادی ہو سکتی ہے اور چونکہ شادی ہو سکتی ہے لہذا آپ

کی شریک حیات بھی بن سکتی ہوں۔ جناب محترم اس قسم کی شادیاں اس زمانے میں ہوا کرتی تھیں جب یہ منڈھا کا یا جاتا تھا کہ

کا ہے کو یا بی بد میں لکھیا ہاٹل میرے

اور جب آرمی مصحف میں زندگی کے دوران مجھے ساتھی آئیے سے آنکھیں مایک کر ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے کہ جو جوا ہمارے

ماں باپ نے ہم کو داؤ پر لگا کر لکھیا ہے اس میں خود ہماری کتنی جیت رہی ہے اور کتنی ہار۔ مگر وہ زمانہ اب تاریخ کے اوراق میں پڑا سو رہا ہے

اس سونے والے کو آپ جگانے کی کوشش نہ فرمائیں۔ دیکھئے برانہ ملیے گا میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ میں خدا نخواستہ کوئی نقص ہے۔ آپ

یقیناً بہترین آدمی ہوں گے آپ میں بے شمار خوبیاں ہوں گی لیکن ہے آپ میں کوئی برائی نہ ہو مگر آپ کو کیا معلوم کہ مجھ کو اپنے زندگی کے

ساتھ میں خوبیاں پسند ہیں یا برائیاں فرض کر بیچے کہ میں بعض برائیاں دیکھنا چاہتی ہوں اس میں جس کام میں انتخاب کروں۔“

خدا اس بحث کو ماننا چاہتا تھا اور اس کو ڈرتا تھا کہ رجنند یا حکیم صاحب گل رخ کی کسی بات کا جو ب دے کر اس کو پھر اسی بحث میں ابھ

ویں گے لہذا اس نے مد غلت کرتے ہوئے کہا۔

”کتنا اچھا موسم ہے اور کتنی خشک گفتگو ہو رہی ہے۔ ضرورت تھی کہ اس ٹھنڈی ہوا میں گرم چائے پی جائے اسی سبزہ زار پر بیٹھ کر مگر

موسم کی ساری کیفیت نذر ہو گئی اس بحث کے۔“

گل رخ نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب واقعی اتنا رنگین آسمان بہت ہی کم نصیب ہوتا ہے یہ برسے ہوئے بادل ایسا رنگ ہو جاتے ہیں کہ

ان رنگینیوں کو نظر انداز کرنا کفران نعمت ہے۔ ٹھہریے میں ابھی چائے کا اہتمام کرتی ہوں۔“

یہ کہہ کر گل رخ چوڑی بھرتی ہوئی اندر چلی گئی تو ڈاکٹر خالد نے حکیم صاحب سے کہا۔

”کس کرتے ہیں آپ بھی کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنا دماغی توازن ہی کھو چکی ہے غریب تو آپ نے اس سے یہ ذکر ہی کیوں

”کیا؟“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”بندو زبیر کریوں کیا کہ میرا خیال تھا کہ جب میں اس سے کہوں گا کہ اب مجھ کو اس میں کوئی انکار نہیں ہے کہ وہ ارجمند سے شادی کرے تو اس بات کا نہایت خوشگوار اثر اس کے دماغ پر پڑے گا۔ میرے جس انکار نے اس کا دماغ پھیر دیا ہے اس کے قرار کے بعد دماغ اپنی گردش کر کے صحیح ہو سکتا تھا۔“

نعیم سے نہ رہا گیا۔ ”یہ بات آپ انجینئری کے اصول سے فرما رہے ہیں یا طبی حیثیت سے۔“

ارجمند نے کہا۔ ”جی ہاں کل چند ساعتوں کے لیے ان پر یہ کیفیت گزری تھی کہ گویا مجھ کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں بلکہ مجھ سے کہا تھا کہ آپ کے چہرے میں جو اجنبیت ہونا چاہیے وہ کبھی کبھی ایسی غائب ہو جاتی ہے کہ جیسے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہو۔“

خاند نے کہا۔ ”جی ہاں یہ کیفیت ان پر گزرتی ہوگی مگر اب میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ ان پر یہ زور ہرگز نہ ڈالیں کہ وہ آپ کو پہچان میں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے دماغ پر کوئی خاص زور ڈالیں۔ میں آج کل ان کا نہایت گہرا مطالعہ کر رہا ہوں اور اسی مطالعہ کی روشنی میں کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتا ہوں کہ میں ان کا علاج شروع کرنے کی کیا صورت اختیار کروں۔“

حکیم صاحب نے اس لطیف حراج کو کہنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا۔

”میں یہ حیثیت ایک طبیب کے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ میرے مسلسل اور سخت انکار نے اس کے دماغی توازن کو بگاڑ دیا ہے تو اب میری رضا مندی اسی دماغ کا توازن بھی درست کر سکتی ہے۔“

خاند نے کہا۔

”مگر تہ آپ نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہوتا تو اچھا تھا کہ اس کا عالم تو یہ ہے کہ وہ ارجمند صاحب کو بالکل پہچان ہی نہیں رہی ہے۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ جیسا کہ ہر امراض دماغ بھی یہاں موجود ہے اور میرے طبی مشورے سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہم دونوں مل کر کوشش کریں تو۔۔۔۔۔“

خاند نے بات کاٹ کر کہا۔

”حضور گستاخی محاف نہ ہو سکے گا۔ میں آپ کے کسی بھی مشورہ سے مستغنی ہونا پسند نہ کروں گا۔“

حکیم صاحب نے ایک دم اکڑ کر کہا۔

”وہ کیوں؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں طبی اعتبار سے نا اہل ہوں؟ سنہ یافتہ طبیب نہیں بلکہ نیم حکیم ہوں؟ عطائی ہوں؟ اتنا زہی ہوں؟

آخر دعا یعنی مطلب کیا ہے آپ کا؟“

کر چکی ہے جن سے دس دس کچھ کچھ ضرورت سے زیادہ بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ دونوں رفتہ رفتہ قریب آتے گئے اور اس حد تک قریب آ گئے کہ زبیدہ نے ارجمند کو اپنی ساری کچھ ہمارت تفصیل سے سنا کر گویا ارجمند پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میری اور تمہاری ایک ہی حیثیت ہے ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں بلکہ تم یہ کہہ کر صبر بھی کر سکتے ہو کہ تمہاری دماغی کوشش کو گل رخ نے اس وقت ٹھکرایا ہے جب وہ تمہارے ہی لیے دماغی توازن کو چکی ہے مگر مجھ کو دیکھو کہ مجھے ٹھکانے والے نہ صرف صحیح انداز ہے بلکہ دماغی مریضوں کا ماننا ہو معالج ہے۔ حالانکہ میں اس کی قائل نہیں ہوں کہ گل رخ کسی دماغی مرض میں مبتلا ہے اس کو پاگل کہنے والے خود پاگل ہے وہ نہایت صحیح انداز دماغی کی باتیں کرتی ہے وہ بے حد بکھار اور ذہین ہے بلکہ اس حد تک ذہین ہے کہ اور سب کو تو خیر اس نے تو خالد سے ہر معالج کو بھی اس لحاظ سے جانچ کر دیا ہے کہ گویا وہ پاگل ہے۔ ان دونوں میں آج بھی موضوع گفتگو یہی تھا۔ ارجمند نے آخر زبیدہ سے براہ راست سوال کر لیا کہ ”سوال تو یہ ہے کہ وہ آخر کیوں پاگل بنی ہوئی ہے؟“

زبیدہ نے کہا: ”وہ بے چاری کہیں بنی ہوئی ہے پاگل اس نے تو ابھی نہیں کہا کہ میں پاگل ہوں۔“

ارجمند نے کہا: ”یعنی وہ پاگل بن نہیں ہے کہ وہ مجھ کو بھی نہیں پہچانتی۔“

زبیدہ نے کہا: ”وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتی کہ آپ کو پہچانے۔ اور اگر پہچانے تو آخر آپ سے کس طرح کہے کہ میں نے آپ کو پہچان تو لیا ہے اور یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ میں آپ سے دماغی کلام بھر چکی ہوں مگر اب آپ سے زیادہ ڈاکٹر خالد کو بحیثیت، بے انتخاب کے مناسب اور موزوں سمجھتی ہوں۔“

ارجمند نے کہا: ”میں کیسے کہوں کہ زبیدہ، تنگم آپ کا یہ قیاس درست ہے۔ گل رخ اتنا بڑا جھوٹ بھی نہیں بول سکتی۔“

زبیدہ نے طنز سے ہنس کر کہا: ”بڑا حسن ظن ہے آپ کو مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ میرا قیاس نہیں بلکہ یقین ہے۔ میں نے آج تک ایسا کوئی پاگل نہیں دیکھا جو اس حد تک صحیح انداز ہو جسکی گل رخ ہے۔ آپ کو جس حیثیت سے اس نے جانتا تھا پہچانتا تھا جب اس کا وہ نقد نظر ہی بدل چکا ہے تو لگا ہوں کہ بد نے میں کیا دیر لگتی ہے۔ البتہ مجھ کو اس کی وہ سٹیل لائٹ ہائیں پسند نہیں آئیں جو اس دن اس نے آپ سے کی ہیں اس سے زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ صاف کہہ دیتی کہ میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے اپنے پچھلے فیصلے پر قائم نہیں ہوں۔“

ارجمند نے کہا: ”تو کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر خالد سے اس کو واقعی جذباتی دماغی پیدا ہو چکی ہے۔“

زبیدہ نے کہا: ”جی ہاں اور صرف اسی کو نہیں بلکہ خود ڈاکٹر خالد کو بھی۔ اس بے چاری نے تو میرے لیے یہ کوشش بھی کی کہ وہ میرے لیے ایثار سے کام لے لے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہاں سے چلی بھی گئی مگر خالد کو اس نے اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں سے میں یا کوئی ان کو واپس نہیں لاسکتا۔“

گوئی کی تاب ماسکتی تھیں۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”جی ہاں یہ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ مگر میں آپ کو نہیں دراتی ہوں کہ اس صورت سے اگر مجھ کو کچھ رنج ہوتا تو صرف اس بات کا کہ جس کو میں بچپن سے اپنا بھتیجی رہی وہ میرا نہیں ہے مگر اس بات کی خوشی ہوتی کہ میرا نہ ہو سکنے کے باوجود اس کو مجھ پر کتنا اعتماد ہے کہ وہ اپنے دل کے اس چورنگ کو میرے سامنے پیش کر رہا ہے۔ مگر میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس نے اس معاملہ میں کس حد تک رکیک قسم کی چوریاں کی ہیں مثلاً میرے حلق یہ کہتا کہ میں ان کی ہم مذاق اور ہم خیال نہیں ہوں۔ کوئی پوچھے، ان حضرت سے کہ پہلے میں ہم خیال اور ہم مذاق کیوں تسلیم کر لی گئی تھی؟“

ارجمند نے کہا۔ ”بہر صورت میں اس عزت افزائی کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا کہ چنانچہ ازاں از مجھ پر کھول دیا۔“
زبیدہ نے ایک کھوکھلے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ ”جی نہیں یہ تو کھل کھلا یاراز ہے میں نہ بتاتی آپ کو یہ بتاتی تو چند دن میں آپ کو خود معلوم ہو جاتیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے اس تفصیل اور اس صفا کی کے ساتھ یہ باتیں آج تک کسی سے نہیں کی ہیں۔“
ارجمند نے شہرت ”میز تبسم کے ساتھ کہا۔ ”کہا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جو باتیں کسی سے نہ کی ہوں وہ مجھ سے کیوں کی گئیں؟“
زبیدہ نے کچھ شہنشاہی مگر پھر سنبھلتے ہوئے کہا۔ ”واقعی یہ سوال پیدا ہوتا ہے مگر اس کا جواب خود مجھے نہیں معلوم۔“ آپ نے متوجہ کیا ہے تو میں خود حیران ہوں کہ آپ سے اس بے غلطی کے ساتھ میں نے یہ باتیں آخر کیوں کیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ میری ورا آپ کی تقریباً ایک ہی کیفیت ہے اور وہی شعر صادق آ رہا ہے کہ

آ غلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

ارجمند نے کہا۔ ”میرے لیے تو یہ شعر نہایت حسب حال ہے۔ حد یہ ہے کہ اس میں گل رخ کا گل تک موجود ہے مگر اس ڈرنے آپ کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ حالانکہ ابھی آپ خالد صاحب سے وابستگی سے انکار کر چکی ہیں مگر چلا رہی ہیں ہائے دل!“
زبیدہ نے ہنس کر کہا۔ ”اوو! آپ بھی شعروشاعری کی باتوں کو اصل واقعات سمجھ بیٹھے۔ میں نے یوں ہی بریکٹیل تذکرہ یہ شعر پڑھ دیا تھا۔“

اور اسی وقت اسی جھاڑی سے نکلنے والی گل رخ تھی جس نے نہایت بے پردائی سے ان دونوں کے درمیان آ کر کہا۔ ”کون سا شعر پڑھ دیا تھا؟ باغ کے اس پہلے تے ہوئے اور خوشبو سے مہکتے ہوئے سبج میں؟ موتی برساتے ہوئے غوارے کے پاس کھڑے ہو کر کسی لڑکی کا کسی نوجوان کو شعر سنانا بھائے خود ایک شعر ہے۔ ہاں تو کیا تھا وہ شعر؟“

اور مٹاتے رہتے ہیں۔ یہ دیکھئے۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔ ابا جان ابھی کرسی پر بیٹھے تھے ان کے ہاتھ میں چھری بھی تھی چنانچہ دیکھ بیٹے زمین پر یہ پناہوا ہے چودہ کا اور یہ سی ہوئی کسی سکی چیز کی تصویر جو مرغ ہوتے ہوتے ہٹی اور بکری کے قریب پہنچتے پہنچتے چیز یا بن گئی کچھ اس وضع کی چیز یا میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھی چیز یا گھر میں بھانت بھانت کی چیز یا ہیں مگر اس نسل کی چیز یا وہاں بھی موجود نہیں ہے۔“

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے زمین پر پٹی ہوئی چیز یا کو دیکھ کر ہتے ہوئے کہا۔ ”کچھ عجیب جانور بنایا ہے بھائی صاحب نے مگر تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ جس وقت وہ اس قسم کی چیزیں بناتے ہیں وہ اس وقت وہ دراصل غور کرتے ہیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”میں ان کی اس عادت کو ہمیشہ سے جانتی ہوں اور سننے ہمارے ڈاکٹر صاحب کی عادت یہ ہے کہ جس وقت وہ بڑے غور و فکر کے ساتھ کسی مریض کا حال سنتے ہیں اس وقت میز پر رکھے ہوئے پیڑ پر پٹل سے یا قلم سے نبھانے کس کس کے دھنکھرتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کا مونو گرام بناتے ہیں کبھی بطنیں بناتے رہتے ہیں۔“

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔ ”اچھا اور یہ جوار چند مہاں ہیں یہ کس طرح غور کرتے ہیں؟“

گل رخ نے کہا۔ ”میں نے تو ان کو کبھی غور کرتے ہی نہیں دیکھا۔ میرے خیال میں وہ غور کرتے ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ غور کرنے کے لیے انسان کے پاس دماغ اور دماغ میں غور کرنے کی صلاحیت کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ یہ حضرت یا تو ان دونوں چیزوں سے محروم ہیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز ان کے حصے میں نہیں آئی ہے۔“

گل رخ کو اس رخ پر لا کر ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کہا۔ ”مگر یہ ہیں کون؟“

گل رخ نے بڑی سادگی سے کہا۔ ”میں خود اس کے متعلق غور کیا کرتی ہوں کہ میں اس کو ابا جان کے ساتھ اکثر دیکھا ہے یہ ابا جان کا بے حد دب بھی کرتے ہیں اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابا جان سے نہایت گہرے تعلقات ہیں۔ اس حالت میں میرا خود ان سے یا ان کے متعلق ابا جان سے پوچھنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ یہی کہنے کو ہو گا کہ اتنی قربت کے باوجود آج یہ پوچھنے کو ہنسی ہے کہ یہ کون ہیں۔ بہر حال ہوں گے کوئے مگر آدمی کچھ زیادہ غور طلب ہیں بھی نہیں مجھے تو کچھ بیوقوف سے نظر آتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ گل رخ کیا واقعی تم مجھ کو نہیں پہچانتیں۔ میں اس عجیب سوال پر کچھ ہنسی مانی اور نہایت برجستگی سے کام لے کر اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا کہ پہچانتی کیوں نہیں ہوں آپ راجند صاحب ہیں۔ یہ سن کر احمقانہ سوال کیا کہ راجند تو ہوں مگر کون راجند۔ اب بتائیے اس کا کوئی کیا جواب دے؟ کسی بکرے کے متعلق کوئی پوچھے کہ بکرا تو ہے مگر کون سا بکرا تو انساں جواب بھی دے دے کہ وہ سفید رنگ کا ہلا لی سینگوں والا بکرا یا وہ سیاہ رنگ کا سینٹلگ والا بکرا۔ مگر یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہو گئی کہ لاہور تو ہے مگر کون سا لاہور تو اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہی لاہور جو لاہور ہو سکتا ہے۔“

ڈاکٹر خاندکی و مدد سے کہا۔ "مگر میں ارجمند تو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ گل رخ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ مجھ کو پہچانتی تک نہیں جانتا۔ میں وہی ارجمند ہوں جو اس کی تمناؤں کا مرکز رہ چکا ہوں۔"

گل رخ نے ایک بے ساختہ قبیلہ بلند کر کے کہا۔ "یہ یعنی یہ حضرت میری تمناؤں کا مرکز رہ چکے ہیں۔ محنت ہو میری تمناؤں پر جن کو مرکز بھی سوچا کوئی تو یہ لیٹر بکس نما سان۔ ظہیر بے گاد راوہ جا رہے ہیں مرکز صاحب"

اور قبل اس کے کہ ڈاکٹر خاندکی والدہ اس کو روکیں اس نے "جناب ارجمند صاحب" کہہ کر ارجمند کو آدے ہی دی۔ ارجمند نہایت تیزی سے باہر جا رہا تھا مگر اس آوارہ پر ایک دم ٹھنک کر رہ گیا اور قریب جو آیا تو اسے دیکھ کر گل رخ نے فنی کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ کا رستہ ٹھوٹا گیا۔ ذرا تشریف رکھئے مجھے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

ارجمند نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جی ارشاد"

گل رخ نے بغیر کسی پس و پیش کے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ میری تمناؤں کے مرکز رہ چکے ہیں کبھی۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ یہ غلط فہمی یا یہ حسن ظن آپ کو کب اور کس عدالت کے تحت ہوا تھا؟"

ارجمند نے واقعی گھبرا کر کہا۔ "مگر یہ آپ نے کس سے سنا ہے؟"

گل رخ نے کہا۔ "میں نے یہ بات اس سے سنی ہے جس پر مجھے آپ سے زیادہ اعتماد ہے اور آپ ہی سے زیادہ نہیں بلکہ ہر ایک سے زیادہ اعتماد ہے لہذا آپ اس سے انکار کر کے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ مجھے تو صرف یہ بتا دیجئے کہ اس وہم نے آپ کو کب گھیرا تھا؟"

ارجمند نے دھشت سے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ "اب میں کیا عرض کروں؟"

گل رخ نے کہا۔ "آپ کا جو جی چاہے عرض کیجئے مگر جھوٹ بولنے کی کوشش مت کیجئے گا اس لیے کہ جھوٹ بولنا ایک رٹ ہونے کے علاوہ نہایت ذہانت کا کام ہے اور مجھے آپ کی ذات و اوصاف سے یہ امید نہیں کہ آپ کامیابی کے ساتھ جھوٹ بول کر اپنے کو آرٹسٹ ثابت کر سکیں گے۔ اس لیے کہ آپ بے چارے تو مجھے نہایت واجبی سے آدمی نظر آتے ہیں اور مجھے آپ پر غصہ سے زیادہ چونکدہ رحم آ رہا ہے لہذا میں چند باتیں نہایت دوستانہ طریقہ پر آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ میرے ہی نہیں بلکہ کسی معقول قسم کی لڑکی یا

عورت کی تمناؤں کے مرکز نہیں بن سکتے۔ آپ میں تمناؤں کا مرکز بننے والی کوئی بات ایک سرے سے ہے ہی نہیں۔ غائباً آپ کا خیال یہ ہو گا کہ یہ جو آپ ابھی کریم وغیرہ رٹ کر لکھے ہیں اور نائی کے نیچے دو مال کوٹ کی جیب سے جھٹکا رہے ہیں اور یہ جو آپ نے اپنی پیشانی پر

باؤں کا ایک لچھا دیپ کمار سے زیادہ مسرت خیزی کی طرح دانستہ بے پروائی سے ڈال دیا ہے بس یہی جیب کسی کی تمناؤں کا مرکز بننے کے

لیے کافی ہے۔ عزیز محترم! آپ کا یہ خیال خام ہے۔ اگر کسی لڑکی کو اس بناؤ سنگھار کا سلیقہ اور شعور ہوتا ہے آپ بال بال موتی پرو کر اور یہ سنگھار بنار کر کے کسی لڑکی کا دل پہ مشکل ہی موہ سکتے ہیں۔ آیا خیال شریف میں؟ لہذا آئینے میں خود اپنا عکس دیکھ کر آپ اپنی تمناؤں کے مرکز تو شوق سے بن جایا کریں مگر کسی لڑکی کو خواہ مخواہ کی یہ بد عائدیا کریں تو اچھا ہے۔ بس اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔

اور جہند ایک سکتے کے عالم میں عطا مستقیم انھ اور بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے چلا گیا تو ڈاکٹر خالد کی و مدد بھی یہ باتیں سن کر جس سناٹے میں آچکی تھیں اس سے بچ گئیں۔

”تم نے تو مینی اس فریب کی مٹی ہی پلید کر کے رکھ دی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”مجھے خود افسوس ہو رہا ہے اس لیے کہ اب ساری بات میری کچھ میں آچکی ہے۔ ہونہ ہوان حضرت کو اباجان یہاں مریض ہی کی حیثیت سے بغرض علاج لائے ہوں گے اور ڈاکٹر صاحب ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کے دماغ کے غلطی کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ مجھ کو اس بے چارے پاگل سے واقعی اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔ دیوانے کو دیوانگی سوچ گئی ہوگی اس فریب کو کہ میں اس کو اپنی تمناؤں کا مرکز سمجھ رہی ہوں۔ کچھ دماغ ہی تو ایک چیز ہے دن دن میں وہی ذرا ادھر سے دھر ہو جائے تو آدمی کچھ ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کو یہ بے چارہ پاگل نہیں معلوم ہوگا؟“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”نہیں جیسا پاگل بھی کہیں ایسے ہوتے ہیں وہ تو نہایت سلیقے سے رہتا ہے۔ اہنگ کی باتیں کرتا ہے۔ ایک بات بھی تو اس میں پاگل پن کی نہیں ہے۔“

گل رخ نے ہنس کر کہا۔ ”کمال ہے یہ باتیں آپ کو پاگل پن کی نہیں محسوس ہوتیں کہ ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑے سنو را کرتے ہیں یہ حضرت۔ موٹھیں دیکھی تھیں آپ نے کس قدر خوشخطی کے ساتھ ہونٹ پر ”ب“ لکھی ہے۔ ہر وقت ایک چھوٹی سی رتی ہاتھ میں رہتی ہے جس سے ناخن سڈول کیا کرتے ہیں۔ میز پر آئینہ کے سامنے ہر سائز کی چھوٹی بڑی شیشیاں سجائے ہوئے ہیں جو سب میک اپ کے کام میں آتی ہیں۔ اتنا میک اپ تو کوئی فلم اسٹار بھی نہ کرتی ہوگی۔ میں نے تو یہ پہلا مدھو با ما مدھو دیکھا ہے۔“

باوجود اس وحشت کے جو گل رخ سے باتیں کرنے میں خالد کی والدہ کو ہوا کرتی تھی اس ”مدھو با لامرڈ“ پر ان کو بھی بے ساختہ ہنسی آگئی اور انہوں نے ہستے ہوئے کہا۔ ”ہے تو واقعی کچھ ضرورت سے زیادہ ان کو بناؤ سنگھار کا شوق مگر ویسے وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

گل رخ کو بیٹھے بٹھائے نہ جانے کیا یاد آ گیا اس نے جاتے ہوئے کہا۔ ”ہر پاگل میں کوئی نہ کوئی پاگل پن ہی تو ہوتا ہے ویسے ٹھیک ہوتا ہے وہ۔“

ڈاکٹر خالد کا پہلا تو دور کنار خود ان کا گھرا چھا خاصہ پاگل خانہ بنا ہوا تھا۔ سب گل رخ کو پاگل سمجھ رہے تھے۔ گل رخ کو اور جہند کے

پاگل ہونے کا یقین تھا اور حکیم صاحب اپنے علاوہ باقی سب کو پاگل سمجھتے تھے۔ ان کے مشاغل سب سے زراے تھے۔ صبح اندھیرے منہ اٹھتے نہاڑ پڑھنے کے بعد ہوا خوری کو نکل جاتے تھے اور ہوا خوری سے واپس آ کر جو کوئی بھی مل جائے اس کی دماغ خوری شروع کر دیتے تھے۔ شامت عموماً آیا کرتی تھی۔ نعیم بے چارے کی جس کے کمرے سے مل ہوا کمرہ حکیم صاحب کا تھا لہذا کبھی اس سے طبی بحث چھیڑ کر ڈنڈے کے زور پر تسیم کراتے تھے کہ طب یونانی دراصل طب ہے باقی یہ تمام طریقہ علاج ڈھکوسل ہیں۔ کبھی اپنا کلام سنانے بیٹھ جاتے تھے اور کئی کئی مرتبہ کی سنائی ہوئی نہایت بور غزلیں سناتا کہ اس سے داد طلب کرتے تھے۔ کبھی ورزش کے فوائد پر اس کو لکچر دے کر پکے کاغذ پر لکھوانا پاتے تھے کہ آئندہ سے روز ورزش کیا کرو۔ کبھی اس کا ہاتھ دیکھنے بیٹھ جاتے تھے اور علم و فراست الیہ میں اپنی مہارت کا سکھ جانے کے لیے پیر پاتے تھے کہ ہاتھ دیکھ کر جو کچھ کہیں نعیم سر تسلیم خم کر کے ان کے ہاں میں ہاں ملتا رہے۔ مختصر یہ کہ اس غریب کی زندگی عذاب کر رکھی تھی نہ بڑے میاں نے۔ آخر ایک دن تو وہ روی دیا اور جس طرح سوتلی ماں کے مظالم کا ستایا ہوا بچہ اپنی ماں کے پاس آ کر روتا ہے اس نے خاند کو اس وقت پکڑ لیا جب وہ اپنی والدہ کے پاس بیٹھے سعادت مندی کا ثبوت دے رہے تھے اور ان کی والدہ ہی سے کہا۔

”خدا کے لیے ان سے یہ پوچھ لیجئے کہ مجھ سے انہوں نے کب کا بد لایا ہے حکیم کو میرے سر پر نازل کر کے۔ دماغ پٹی ہو کر رہ گیا ہے۔ پندرہ فرلیس مٹی ہیں نہ کی۔ سو اسوڈنڈ پیلے ہیں۔ ایک سو بیس ٹیکس لگائی ہیں اور ایک گھنڈہ سترہ مٹ تک جنر منتر تتر پران کا مسلسل اور دماغ پاش لیکچر سن کر رہا ہوں میری جان کے گاہک ہو گئے ہیں وہ اور انشاء اللہ وہ مجھ کو اسی اسپتال میں دماغی مریض کی حیثیت سے داخل کر کے رہیں گے۔“

خاند کی والدہ نے ہنس کر کہا۔ ”خدا نہ کرے چنا مگر سچ سچ وہ بڑے میاں ہیں تو بہت ہی جھکی۔“

خاند نے کہا۔ ”صرف جھکی ہی نہیں بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ جٹی میں ان کا ہی اثر آیا ہے۔“

خاند کی والدہ نے کہا۔ ”ہاں درجی کچھ سنا۔ گل رخ تو اس کو پاگل سمجھتی ہے اور جند کو اور اس کو یقین ہے کہ حکیم صاحب اصل میں اسی کا علاج کراتے یہاں آئے ہیں۔“

خاند نے کہا۔ ”مگر یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

خاند کی والدہ نے اس روز کا تمام قصہ سنا دیا کہ میں نے اصل میں گل رخ کو یاد دلانے کی کوشش کی تھی کہ تم کبھی اس لڑکے کو اپنی قندوں کا مرکز سمجھتی تھیں اس پر اس نے یہ باتیں کہیں اور خود اور جند کو بلا کر ایسا آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ میں تو حیران ہی رہ گئی۔ یہ سن کر ڈاکٹر خاند نے کہا۔

”مگر آپ کو گل رخ سے یہ باتیں نہ کرنا چاہیے تھیں۔ میں اس کا جس نقطہ نظر سے مطالعہ کر رہا ہوں اس کے لیے آپ کی یہ یاد دہانی غلط ثابت ہو سکتی تھی۔ بہر حال آئندہ احتیاط رکھئے گا۔“

نعیم نے کہا۔ ”بھئی مجھ سے قسم لے لو کہ نہ گل رخ پاگل ہے نہ کوئی اور دماغی غلطی! ہاں اگر کوئی مریض ہے تو حکیم صاحب جو میرے لیے عذاب کا فرشتہ بنے ہوئے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ میں گریبان پھاڑتا ہوں اس کا ہوم کے کسی نہ کسی کمرے میں مریض کی حیثیت سے پایا جاؤں گا۔“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”چپ چپ وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔“

سب کی توجہ اسی طرف ہو گئی جدھر سے حکیم صاحب اپنی تاریخی چھتری لیے تشریف لارہے ہیں چنانچہ آپ نے قریب آتے ہی بغیر کسی تمہید کے فرمایا۔

”چھینکنے کے بعد ہم کہتے ہیں شکر الحمد للہ اور انگریز کہتے ہیں معاف کیجئے گا کیا بعد الشرعین ہے۔ ابھی آپ کے اسپتال کی ایک نرس جو انگریز ہونے سے ہل ہل بگی ہے میرے قریب آ کر چھینکی اور پھر مجھ سے کہا کہ معاف کیجئے گا۔ لو بھلا اس نے میرا کیا بگاڑا تھا کہ میں معاف کروں۔ کوئی میری ناک سے چھینک چھینکی نہیں تھی اس نے؟ میری تشیخیں یہ ہے کہ اس کو زلہ تو ہو ہی چکا ہے لیکن اگر اس نے احتیاط سے کام نہ لیا تو بخیر کی کیفیت پیدا ہو کر اس کو پہلے حرارت میں اور اس کے بعد تب میں جلا کر دے گی۔“

نعیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”نبض دیکھی تھی آپ نے اس کی؟“

حکیم صاحب نے فرمایا۔ ”ماہر امہ نبض دیکھے بغیر مریض کا رنگ رخ دیکھ کر ایک نتیجہ پر پہنچ جایا کرتے ہیں۔“

نعیم نے کہا۔ ”مگر اس کم بخنوں کا رنگ رخ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا منوں تو پاؤں پاؤں تو چوپے رہتی ہیں۔“

حکیم صاحب نے بڑے تجربہ کارانہ انداز سے کہا۔ ”کیا باتیں کر رہے ہیں برخوردار آپ بھی۔ عین لگا ہیں پاؤں کے نیچے بھی پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی آنکھوں کی سرفی بتا رہی تھی کہ زلہ اپنا کام کر چکا ہے اور بخار کی آہ آہ ہے۔ اگر اسی وقت وہ جوشاندہ پی کر اوڑھ کر پیٹ کر پڑ رہے تو ممکن ہے کہ بخار نہ ہو ورنہ تھوڑی سی دیر میں اس کو سردی لگے گی اور بخار ہو جائے گا۔“

خاندکی والدہ نے کہا۔ ”بھائی صاحب یہ انگریزی دواؤں والے جوشاندے کی قدر کیا جانیں؟ اس کو تو یہی گلوڑی فرنگی دوا میں یاد رہ گئی ہیں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”ہاں، بلکہ یہ انگریزی دوا میں نہ ہمارے مزاج کے موافق ہوتی ہیں نہ ہمارے ملک کے موسم کے مطابق ہوتی ہیں۔ اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ کتنے دن سے آپ انگریزی دوا میں پی پی کر اپنا مرض پال رہی تھیں میرے ایک ہی نسخہ سے فائدہ ہو یا نہیں

----- کھارہی تا آپ وہ چورن؟

خاند کی داندہ نے کہا۔ "جی ہاں برابر ہر کھانے کے بعد کھاتی ہوں۔"

خاند نے تعجب سے کہا۔ "کیوں؟ آپ کو کیا ہوا ہے؟"

بچائے ان کے حکیم صاحب نے جواب دیا۔ "اتنی ان کو تو وہ ہوا ہے کہ اگر میری توجہ یکا یک نہ ہو جاتی تو اللہ جانے کیا ہو جاتا۔ معدہ جواب دے چکا تھا قوت ہضم مفقود تھی۔ تولید خون مدت سے بند تھی۔ بھوک غائب تھا بہت میں روز افزوں ترقی جگر کا فضل خراب مختصر یہ کہ ہمیشہ محترمہ مجموعہ امراض بن چکی تھیں۔ میں نے ایک ہی نظر میں تازہ لیا اور اپنی خاندانی بیاض کا ایک نسخہ ان کے لیے تجویز کیا جسے میں اکثر مریضوں پر آزما کر تیر ہدف پا چکا ہوں۔ چورن جب ختم ہونے والا ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

خاند کی داندہ نے کہا۔ "جی نہیں بھائی صاحب! ابھی تو بہت ہے۔"

حکیم صاحب نے کہا۔ "مگر ایک بات عرض کر دوں کہ آپ کئی چیزیں نہ کھائیے اور کئی چیزیں نہ کھائیے۔"

نعیم نے کہا۔ "ایک دم سے یہی کہہ دیجئے تاکہ کچھ بھی نہ کھائیے۔"

حکیم صاحب نے کہا۔ "جی نہیں بھرتکار یاں ان کے لیے بے حد مفید ہیں۔ مثلاً پالک کا ساگ 'لوکی' کر لے۔ میں آپ سے عرض کر دوں کہ خود میں نے مدتوں کڑواہٹ نکالے بغیر کر لے کھائے ہیں۔ خون صاف کرنے اور جگر کا فضل درست کرنے کے لیے کر لے بے حد مفید ہے بشرطیکہ نیم پخت کھایا جائے اور کڑواہٹ نہ نکالی جائے اس کی۔"

خاند کی داندہ نے کہا۔ "کون کھا سکتا ہے بھائی صاحب کڑوا کر لے؟"

نعیم بولے۔ "میں نے سنا ہے وہ کڑوا کر لے مفید ہوتا ہے جو نیم چڑھا بھی ہو اور کونین سے بگھرا جائے۔"

حکیم صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ "جی نہیں کونین کی آمیزش سے وہ یقیناً نقصان کرے گا۔ ہر چند کہ کر لے بھی بے حد مفید ہے اور نیم کو تو کہنا ہی کیا مگر کونین نہایت واپس چیز ہے۔ گرم اور خشک میں اس کی رائے نہ دوں گا۔"

ڈاکٹر خالد نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے کہا۔ "قبل آپ نے لاہور کی کچھ سیر کی؟"

حکیم صاحب نے کہا۔ "سیر سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ میں تاریخی عمارتیں دیکھتا پھروں تو میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ ویسے سیر میں روزانہ صبح کرتا ہوں بلکہ مجھے حیرت ہے کہ آپ حضرات سیر کیوں نہیں کرتے۔ ہمیشہ صاحب اگر آپ صبح کی چہل قدمی پنا معمول بنالیں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ذرا دیکھئے گا اس مسخرے اور جند کو اب اللہ جانے سیٹ لگا کر کہاں جا رہا ہے ہزار مرتبہ کہا کہ سیٹ میں آپ کے حسن میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ یہ ہی ٹی چاہتا ہے کہ خط لکھ کر آپ میں ڈال دیا جائے آپ کو یہ سڑ بکس سمجھ کر۔ مگر جہنم میں جائیں

ارجمند نے اس حوصلہ افزائی کے بعد کہا۔ ”میں نے وہی معنی نکالے ہیں جو ہم دونوں کے علاوہ گل رخ تک نے نکال پے ہیں۔ دیکھئے جناب بننے کی کوشش نہ کیجئے نہ دراصل یہ جذبات چھپ سکے ہیں نہ یہ نکالیں چرائی جاسکتی ہیں۔ یہ کیفیت تو کم بخت ایسی چغل خور ہوتی ہے کہ بے آواز کے چپتی ہے۔“

زبیدہ نے ذرا اب دھنگ بن کر کہا۔ ”میں تو آپ کو ساتھی کہا مناسب سمجھتی ہوں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”ساتھی اور مناسب۔ کس قدر عطا الفظ آپ نے ڈھونڈے ہیں۔ کم سے کم یہی صحیح بتا دیجئے کہ ن الفاظ کی تلاش میں آپ کو کتنی دقت ہوئی ہے۔ خیر آپ بتائیں یا نہ بتائیں مگر میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ساتھی سے مراد آپ کی زندگی کے ساتھی سے تھی اور مناسب آپ نے پسند کی جگہ استعمال کیا ہے۔“

زبیدہ نے دور ہٹ کر کہا۔ ”آپ اس قدر منہ پھٹتے جاتے ہیں حالانکہ آپ کو مظلوم ہے کہ میں یہ الفاظ سنتوں کرنے پر اس سے مجبور ہوں کہ مجھے مظلوم ہے کہ آپ پر یہ حقوق صرف گل رخ کو حاصل ہیں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”کیوں اب آپ گئے دور کو واپس لانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں کئی مرتبہ اشاروں اشاروں میں یہ بات سمجھا چکا ہوں اور آج نہایت وفاحت سے بتائے دیتا ہوں کہ گل رخ کی حیثیت میرے لیے اب صرف ایک خوشگوار خواب کی ہے جس کی تعبیر برعکس نکلے۔ وہ دماغ سے مجبور ہو کر یا دل سے بہر حال اب وہ میرے لیے نہیں ہے اور اب مجھے تو ایب محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے راستے سے منحرف اس لیے بھائی گئی ہے کہ قدرت نے میرے لیے کسی اور کا انتخاب کر رکھا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ یہ طمانہ طریقہ اختیار نہ کریں گے کہ گل رخ کا طعنہ خواہ مخواہ دیتی رہیں۔ میری زبان سے بھی آپ نے کبھی ڈاکٹر خالد کا نام سنا ہے۔“

زبیدہ نے آگے بڑھ کر ارجمند کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں واقعی یہ میری زیادتی تھی۔“

ارجمند نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ ”میرے ہاتھوں میں یہ ہاتھ دے کر تم نے مجھ کو سب کچھ دے دیا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں نے کچھ نہیں دیا جس کی امانت تھی اس کے سپرد کردی مگر اب ہم دونوں کو نہایت سنجیدگی سے یعنی ان صحیح جذبات سے گزر کر یہ طے کرنا ہے کہ۔۔۔۔۔ آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟“

ارجمند نے کہا۔ ”وہ تو میں سمجھ چکا ہوں اور یہ سنجیدگی مجھ پر بہت پہلے سے طاری ہے۔ میں صرف نصیم بھائی کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے اس سٹیوگ کو کس نظر سے دیکھیں گے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”نصیم بھائی کی مجھے فکر نہیں ہے وہ نہایت معقول قسم کے آدمی ہیں اور ان باتوں کو شخص اور فی سمجھتے ہیں نہ ان کو اس کی خوشی تھی کہ خالد کا نام میرے نام کے ساتھ ہمیشہ یا گیا نہ ان کو اس کا رنج ہوا کہ خالد کی توجہ میرے بجائے گل رخ کی طرف کیوں ہو گئی۔ وہ جس

طرح میرے بھائی تھے بھائی رہے۔ اور جیسے خالد کے دوست تھے اتنے ہی دوست رہے۔ نصیم بھائی کی طرف سے یہ تو اطمینان ہے۔ خالد کو ----- بھائے کوئی اعتراض ہونے کے دراصل خوشی ہوگی کہ ان کے سر کوئی الزام نہ آسکا اور جو وہ چاہتے تھے وہ میں کر گری کہ ان کے رستہ سے ہٹ جاؤں۔ رہ گئیں خالد کی والدہ وہ بزرگ ضرور ہیں مگر کچھ پوچھتے تو وہ مجھ سے نام نہی ہیں کہ ان کے صاحبزادے نے مجھ کو اس طرح کیوں نظر انداز کیا۔ ان کی کوئی خاص آواز بھی نہیں ہے۔ گل رخ کی طرف سے مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس تجویز کا خیر مقدم کرے گی۔“

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔ ”کرے گی نہیں بلکہ کر رہی ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”ابھی تو میں کہہ رہی ہوں کہ وہ اس کو نہایت مناسب سمجھ رہی ہیں کہ میں خالد کو اس کے بے زاد چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے اگر کسی کی طرف سے ڈر ہے تو وہ بزرگ محترم حکیم صاحب جن کو نہ میں آج تک سمجھ سکتی ہوں اور نہ آئندہ سمجھ سکتی ہوں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”آپ نے بھی کن غیوط الحواس بزرگ کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً تھوڑا بہت اودھم مچائیں گے مگر ان کی پروا کس کو ہے۔ دوسرے میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اگر ان سب کی طرف سے مخالفت بھی ہو تو ہم کو اس مخالفت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”مقابلہ تو کرنا چاہیے مگر میں جڑے نہیں چاہتی۔ مجھے یہ جڑے اس لیے برے لگتے ہیں کہ زندگی کے اس سنجیدہ سمجھوتے کو عشق و محبت کی داستان سمجھ کر لوگ لٹلی بچتوں بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ان دونوں کو جو اپنی زندگی کی ایک راہ تلاش کر کے اس پر ساتھ ساتھ گامزن ہونا چاہیں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”ان جڑے چوں سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم دونوں اعلان کر دیں کہ ہم نے زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”ابھی نہیں اس کا مناسب اور سادہ وقت جب آئے گا میں یہ اعلان بھی کر دوں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”مگر ہم آپس میں تو یہ اعلان کر ہی چکے ہیں۔“

زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد بھی اگر آپ مجھ کو محض داکنگ اسٹک ہی سمجھ رہے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ میں نے تو اپنے آپ کو آپ کی سپردگی میں دے ہی دیا ہے۔“

اسی وقت گل رخ کی آواز نہایت سریلے نغمے میں ڈوبی ہوئی آئی۔ وہ آواز کی پوری محاسن کے ساتھ گاری تھی۔

زمیں گردوں سے ٹکرائی جہاں دل مل گیا دل سے

اور ان دونوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور جب وہ کہیں نظر نہ آئی تو آواز پر کان دھرتے ہی ان کی نگاہیں اوپر اٹھ گئیں۔ گل رخ

نعیم نے کہا۔ ”جی اس حقوق کے علاوہ باقی سب کچھ۔“

حکیم صاحب نے فرمایا۔ ”بس ذرا آج اور کل فائدہ کر ڈالو اس لیے کہ یہ حقوق غلوئے معدہ میں پوری طرح اثر کر سکتا ہے۔ دوسرے خود اس میں اتنی غفلت ہے کہ کسی اور خوراک کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”مگر میں آپ سے صاف صاف کہہ دیتا چاہتی ہوں کہ یہ حقوق یا آپ کی کوئی دوا اگر ان کو نقصان کر گئی تو خواہ مخواہ آپ کی بدنامی ہوگی۔ ان کے حراج کو عادت ہے مگر بڑی دواؤں کی۔“

حکیم صاحب نے منہ بنا کر کہا۔ ”یہ تو بہ حراجی ہوئی نہ ایک قسم کی۔ ایک تو میری دوا ناممکن ہے نقصان کرے دوسرے ہاتھ کنگس کو رسی کیا ہے تو خود دیکھ لو کہ کس قدر فائدہ ہوا ہے۔ ایک ہی مرتبہ حقوق چاٹ کر نقصان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جی نہیں پیدا ہوتا ہے یہ سوال۔ میں نے ان کو آپ کا حقوق استعمال ہی نہیں کرایا ہے ان کا علاج ڈاکٹری ہو رہا ہے اور اسی سے ان کو فائدہ ہے۔ آپ خواہ مخواہ علاج میں گزبزن کریں۔“

حکیم صاحب کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کو یہ بات سخت ناگوار گزری ہے۔ پہلے تو کھا جانے والی نظروں سے نعیم کو گھور پھر گل رخ کی طرف دیکھ کر اپنے کو سنبھالا اور اپنا غصہ پی کر بولے۔ ”اچھی بات ہے اچھی بات ہے۔ مطلب تو فائدہ ہونے سے ہے۔ وہ کسی طریقہ علاج سے ہو۔ مگر یہ حقوق استعمال تو ضرور ہوا ہے۔“

گل رخ نے اگالہ ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”جی ہاں وہ اس اگالہ ان کو استعمال کرایا گیا ہے محض آپ کی دہائی کے لئے مگر میں اس فضول تکلف کو قطعاً سمجھتی ہوں۔ یہ ٹھہر دوا علاج کا معاملہ۔“

حکیم صاحب پہلے تو خاموش بیٹھے رہے پھر حقوق کی مشترکیت اٹھ کر جاتے ہوئے بولے۔ ”راجا صاحب کھاری رندہ ہوتے تو وہ یہاں کر سکتے تھے اس حقوق کی مجوزہ نمائی اور وہ چار سال کے بعد بھی نہ مرتے اگر یہ حقوق ان کو وقت پر مل جاتا۔“

وہ یہ تمام باتیں اسی مشترکیت سے کرتے ہوئے چل دیے۔

زبیدہ اور ارجمند کا باہمی رابطہ اب اس گھر کے ایک ایک فرد کے لیے مستحیٰ خیز بن چکا تھا۔ ڈاکٹر خالد غائب گل رخ کے بعد دوسرے آدمی تھے جن کو ان دونوں کی اس بے پناہ باہمی دلچسپی کا اندازہ ہوا تھا اور اب تو نعیم اور ڈاکٹر خالد کی والدہ بھی بخوبی سمجھ چکی تھیں۔ ڈاکٹر خالد نے تو اس موضوع پر کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور نہ اس کو اتنی فرصت تھی اس لیے کہ اس کی تمام تر توجہ کی مرکز گل رخ تھی جس کو بے خبر رکھ کر وہ نہایت خاموشی سے اس کی دماغی کیفیت کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا اور اس کے لیے دماغی مرض کی یہ نوعیت سخت پیچیدہ تھی کہ گل رخ ایسی صحیح الدماغ ذہین اور سنبھلی ہوئی لڑکی کے متعلق اس کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ وہ باوجود اس مبالغہ کے دماغ کی خرابی میں

جٹلا ہے۔ کبھی کبھی اس کو گل رخ کی حد سے بڑھی ہوئی صاف گوئی اور کڑوے سے کڑوے سچ کو نہایت منہ پھٹ انداز سے بیان کر دینے پر اس کو یہ شبہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک صحیح الدماغ انسان میں جو تکلف اور احتیاط یا اس کو منافقت کہہ لیجئے ہونا چاہیے وہ اس میں نہیں ہے اور جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے وہ بے دھڑک کہہ ضرور گزرتی ہے۔ مثلاً یہ اندازہ اس کو کل رات ہی ایک دعوت کے موقع پر ہوا جس میں ڈاکٹر خالد نے اپنے دوست منصور کو مدعو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی اور شاعرانہ ذوق کو دیکھتے ہوئے مشہور شاعر حضرت شاہد کو بھی مدعو کر لیا تھا۔ چنانچہ کھانے کے بعد جب حضرت شاہد سے کلام سنانے کی فرمائش ہوئی تو سامعین میں سے دو کی داد عجیب و غریب تھی۔ ایک تو حکیم صاحب جن کو خود بھی شاعری کا دعویٰ ہے اور جو نہایت مریدانہ قسم کی داد دے رہے تھے۔

”میں جیتے رہوں ہر چند کہ کہن مشکل نہیں ہو مگر ریاض کرتے رہوں تو بڑی ترقی ہوگی۔“ وغیرہ۔

دوسری گل رخ تھی جس کی داد نہایت خطرناک بن جاتی تھی۔ اس لیے کہ اگر وہ اچھے شعر پر ”سبحان اللہ“ اور ”واہ واہ“ کہتی تھی تو برے شعر کو اسی آمادگی کے ساتھ ”نقو اور مہمل“ بھی کہہ گزرتی تھی اور حضرت شاہد جن کو غالباً یہ کھری کھری سننے کا رنگی میں پہلا موقع تھا پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت ہی سہے کسی کے ساتھ کھسیانی فنی ہنس کر رہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب گل رخ کسی کام سے باہر گئی تو ڈاکٹر خالد نے سرگوشی میں شاہد صاحب کو یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ آپ گل رخ کی اس بے دھڑک تنقید پر ہرگز براندہ نہیں اس لیے کہ وہ اس گھر کے ایک فرد کے علاوہ اس اسپتال کی ایک مریض کی حیثیت بھی رکھتی ہے چنانچہ اس کے بعد شاہد کو نہ صرف اطمینان ہو گیا بلکہ اب وہ بھائے سہے ہوئے انداز سے اپنا کلام سنانے کے نہایت کمال کر سکتے تھے۔ مگر اب گل رخ نے ایک اور ہی بحث شروع کر دی جس کا موضوع یہ تھا کہ مشاعروں کے رواج نے ہماری شاعری کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سب ایک طرف تھے کہ مشاعروں نے اردو کی تبلیغ کا فرض ادا کیا ہے مگر وہ یہی ثابت کر رہی تھی کہ مشاعروں کی بدولت شعراء کی تعداد خواہ کتنی ہی بڑھ گئی ہو مگر شعری معیار بلند ہونے کے بجائے پست ہو گیا ہے اس لیے کہ مشاعروں کی رواجی داؤنے ان کو بھی شاعر ہونے کی غلط فہمی میں جٹلا کر دیا ہے جو اور خواہ کچھ بھی ہوں مگر شاعر ہرگز نہیں ہیں لیکن وہ اپنے کوشاں عریسے نہ سمجھیں جبکہ وہ بھی رواجی داد حاصل کر کے اپنے دماغ ٹھکانے کر بیٹھتے ہیں۔ پھر منصور نے کہا۔

”آخرا خلاق بھی کوئی چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ مشاعرہ ایک مہذب محفل ہوتی ہے اس میں واقعی داد دینے کے علاوہ اخلاقاً بھی داد دینا ہی پڑتی ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تو جناب یا تو اخلاق بکھار لیجئے یا اپنے شعری ادب کو نکھار لیجئے۔ آپ اندازہ تو کیجئے کہ آپ کے ان شاعروں نے جو دراصل شاعر نہیں بلکہ مشاعرہ ہوتے ہیں۔“

شاہد صاحب نے بے ساختہ ردی۔ ”مشاعرہ کا جواب نہیں۔ چونکہ وہ مشاعروں کے شاعر ہوتے ہیں لہذا شاعر یا مشاعر نہیں بلکہ مشاعر آپ نے خوب کہا۔“

گل رخ نے بے پردائی سے کہا۔ ”جی ہاں میں ان کو صرف مشاعرہ کہتی ہوں اور ان میں میم انگاری سمجھ بیچنے یعنی وہ شاعر ہوتے ہی نہیں۔ سو یہ ہے کہ ان کے کلام پر کیوں داد دی جائے اور اس کو ان کی اصل اوقات کیوں نہ سمجھائی جائے۔“

منور نے کہا۔ ”تو آپ کے خیال میں مشاعرے ہونا ہی نہ چاہئیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جی ہاں یا تو مٹھ کر دیے جائیں یا مشاعروں میں اس اخلاقی جرات سے کام لیا جائے کہ اگر کسی کے جیسے شعر پر داد داد اور سبحان اللہ کے ڈونگرے آپ برسا لیں تو برے شعر پر لاجول ولاقوۃ اور استغفر اللہ بھی کہیں۔ مگر اچھا شعر اس کو آپ یہ کہیں کہ مکر رشاد تو برے شعر پر یہ بھی کہیں کہ خدا کے لیے اب نہ پڑھئے گا۔“

شاہد نے ہنس کر کہا۔ ”ارے تو یہ ہے آپ مشاعرے میں لٹھ چلوانا چاہتی ہیں۔“

حکیم صاحب اس بحث سے الجھ چکے تھے لہذا موضوع بدلے ہوئے بولے۔ ”بہر حال بہر صورت بہر کیف زحمت تو ہوگی کوئی اور غزل ارشاد ہو۔“

گل رخ نے کہا۔ ”آپ نے اب تک متنی غزلیں سنائی ہیں بحر میں بدلی ہوئی تھیں۔ ردیف اور قافیہ بدلے ہوئے تھے مگر ہائیں سب وہی تھیں وہی منزل قافیہ ہے تو پہلے مصرعہ میں جا دو یا کارواں لے آئے ساحل قافیہ ہے تو کچھ گرداب وغیرہ کا ذکر کر دیا۔“

شاہد نے ہنس کر کہا۔ ”تو کیا آپ کے خیال میں منزل قافیہ ہو تو سوٹ کیس کا ذکر کیا جائے اور ساحل قافیہ ہو تو ناشپاتی کا تذکرہ ہونا چاہیے؟“

گل رخ نے کہا۔ ”جناب والا یہ طنز نہ فرمائیے بلکہ ذرا غور کیجئے کہ کوئی آخر کب تک گل کے ساتھ بلبل ساحل کے ساتھ طوفان در منزل کے ساتھ گرد کارواں کی ہاتیں ستار ہے۔ آخر آپ حضرات کو نئے مسائل اور نئے موضوع کیوں نہیں ملتے؟“

شاہد نے کہا۔ ”یعنی غزل میں اسپورٹس کا ذکر ہونا چاہیے ناقہ لیلی کے بجائے ہیلی کوپٹر کا تذکرہ ہونا چاہیے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”میرے خیال میں ضرور ہونا چاہیے یا یہ تسلیم کر لیجئے کہ آپ کی شاعری زمانہ سے پیچھے ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے اشعار میں دس درجہ کا ذکر تو ہوتا ہے معدے کا کیوں نہیں ہوتا حالانکہ معدہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ دل اور جگر کی کیفیات جتنی مفروضہ ہیں معدے کی واردات اتنی ہی واقعہاتی ہیں۔ پیٹ میں تو آتیں گل ہوا تھ پڑھ رہی ہیں اور دل ہے کہ ہاتھوں سے لگا جا رہا ہے بھوک کے بجائے عشق کو اور ردائی کے بجائے حسن کو موضوع سخن بنانا کیا سفید جھوٹ ہے۔ آخر اس جھوٹ پر آپ کب تک اپنی شاعری کو زندہ رکھیں گے؟“

حکیم صاحب اب سخت عاجز آ چکے تھے۔ زمین پر اپنی مانگی بجا کر بولے۔ ہوتا ہے بابا شاعری میں یہی ہوتا ہے غزل میں یہی ہوتا ہے۔ غزل ان ہی آلام و افکار کا قلم غصہ کرنے کے لیے ہوتی ہے جن کو تم موضوع غزل بنانا چاہتی ہو۔ ہاں تو شاہد صاحب ارشاد

گل رخ نے کڑے حوروں سے حکیم صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا: ”آپ بات کو سچ، دھڑ میں شتم کرا کے مجھ کو اس بھوش عری کا قائل نہیں کر سکتے جو سوائے شغل بے کاری کے اور کچھ نہیں ہے۔“

حکیم صاحب ڈر گئے۔ ”نہیں نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تم سچ کتنی ہوشیار نقطہ نظر بالکل درست ہے مگر اس وقت شاہد صاحب کا کلام سنتے تو اچھا تھا۔“

گل رخ نے کہا: ”اور شاہد صاحب کو جھوٹی داد دے کر غلط فہمی میں مبتلا کرتے تو اور بھی اچھا تھا۔ آخر اس تصنیع اوقات سے کیا فائدہ۔ ہم اس کے بہائے یہ مفید کام کر سکتے ہیں کہ شاہد صاحب کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ روایتی اور روایتی شاعری چھوڑ کر اپنی شاعری کا رخ زمانہ کی طرف موڑ دیں۔“

شاہد نے کہا: ”زمانے کی طرف، مگر میں نے رخ موڑ دیا تو فہمی گانے لکھنے لگوں گا۔“

گل رخ نے نہایت دثوق سے کہا: ”میں فہمی گانوں کی بے حد قدر کرتی ہوں۔ دن میں ہاتھ دی فرسودہ سی مگر طرزِ دکم سے کم نہ ضرور ہوتا ہے، دراصلیت سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ مثلاً

دھک دھک دھک دھک دھک دھک
انہیوں میں انہیوں ڈال کے نہ بھک

حکیم صاحب نے کہا: ”متفطر اللہ یہ کیا بکواس ہے؟“

گل رخ نے کہا: ”یہ بکواس نہیں ہے بلکہ ایک کیفیت کی نہایت صحیح مصوری ہے اور یہ فہمی گانہ اس قسم کے شعراء سے بدرجہا بہتر ہے کہ

منہ پھیر لیا ناز سے شرما کے کسی نے
دل تھام لیا عمر نھر کھا کے کسی نے

شاہد نے کہا: ”شعر بھی کیا دقیقہ نوی آپ نے یاد رکھا ہے۔“

گل رخ نے کہا: ”جناب معاف کیجئے گا اس قسم کے موضوع کا ہر شعر سوائے دقیقہ نوی ہونے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ شعرا اور یہ فہمی گانہ مجھے اس وقت یاد آیا تھا جب آپ اپنا یہ شعر سن رہے تھے۔“

الہی خیر ہو ان کی نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
ادھر دل ہے کہ پھر قاف سے باہر ہوتا جاتا ہے

حکیم صاحب نے داد دی۔ ”سبحان اللہ سبحان اللہ کیا شعر ہوا ہے۔“

گل رخ نے بہہ کر کہا۔ جی نہیں اس سے کہیں صحیح عکاسی فلمی گانے میں موجود ہے۔“

حکیم صاحب ڈر کر بولے۔“اس کا تو خیر کہنا ہی کیا۔“

اور حکیم صاحب کی اس بے کسی پر نعیم اور خالد دونوں کو بے سہمتہ ہنسی آ گئی۔ آخر اس موضوع کو بدنے کے لیے ڈاکٹر خالد نے کہا۔

”بھئی نہ یہ شاعری اپنے بس کی ہے نہ یہ تنقید۔ اپنا تو دماغ ہی چکرا کر رہ گیا ہذا قسم کیجئے یہ ذکر۔ سوال یہ ہے منصور صاحب کہ آپ

اتنے دن کے بعد آئے بھی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے۔“

منصور نے اپنی مجبوریاں اور اپنی تجارتی اور کاروباری مصروفیت کا ذکر اس تفصیل سے شروع کیا کہ آخر بہیدہ اور گل رخ دونوں ہی

وہاں سے ٹل گئیں۔ حکیم صاحب کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے، نگہ گئے اور اب ڈاکٹر خالد نے نہایت تفصیل سے حضرت شاہد سے معافی مانگی اور گل

رخ نے اپنی دماغی کیفیت کے تحت محفل کو بے لطف کر دیا مگر نہ تو شاہد صاحب اس کے قائل ہو سکے کہ گل رخ کے دماغ میں کوئی خرابی ہے یا

منصور صاحب۔ ن دونوں کی رائے یہی تھی کہ ایسی بال کی کھال نکالنے والی طبع لڑکی کو پاگل کہنا بجائے خود پاگل پن ہے۔ خالد نے اسے

بتایا کہ اس کے ہاوجود کہ اس کے دماغ میں خلل ہے اور اسی لیے یہ نہایت پیچیدہ لومیت ہے۔ مرض کی یہاں یہ بحث جاری تھی اور ادھر

ارجنہ بھی اس محفل میں اٹھ کر پائیں باغ میں جا چکے تھے جہاں زبیدہ ان کی منتظر تھی۔

ڈاکٹر خالد کو آج کل ڈاکٹری کے علاوہ ہی آئی ڈی والوں کی خدمات بھی انجام دینا پڑ رہی تھیں اس لیے کہ وہ بظاہر نہایت غیر متعلق رو کر

نہایت گہرے تعلق کے ساتھ اپنی پوری توجہ گل رخ کی طرف مبذول کئے ہوئے تھا اور اس کی بے ساختگیوں کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا جن میں

اس کے اردے کو کسی قسم کا کوئی دخل نہ ہو۔ گل رخ کو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ ڈاکٹر خالد سائے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کی

ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈاکٹر خالد کے لیے گل رخ کی حراستی کیفیت واقعی ایک معرکہ ہی ہوئی تھی۔ وہ اس کی ذہانت اور

سوچ بوجھ اور سلجھی ہوئی باتوں کو بھی دیکھتا تھا مگر چونکہ اس کو یہ یقین دلادیا گیا تھا کہ اس کے دماغ میں خلل بھی ہے لہذا وہ بعض نہایت سیدھی

سادہ باتوں کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں ان باتوں میں دیوانگی کا شائبہ تو نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب ڈاکٹر خالد نے

اس کا غائر مطالعہ شروع کیا تو اس کا اندازہ ہوا کہ کبھی کبھی وہ واقعی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتی ہے جو کوئی صحیح الدماغ انسان بمشکل ہی کر

سکتا ہے مثلاً آج ہی اس نے دیکھا کہ گل رخ نہایت پیچیدگی کے موڈ میں کونٹھی کے برآمدے سے نکل کر زنگ ہوم کی طرف جاتے ہوئے

ایک بوڑھی نرس کو روک کر کھڑی ہو گئی۔

”مسٹر ڈرامیری بات سنو۔ ذرا اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ میں تمہاری زخموں کے اگلے پچھلے واقعات معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

خالد یہ دیکھتے ہی قریب ہی ایک طرف اوٹ لے کر کھڑا ہو گیا اس لیے کہ گل رخ نے یہ بات اپنے معصوم کے خلاف ایک دم سے شروع کر

وی تھی وہ کان لگا کر رس کی اور اس کی ہاتھ سننے لگا۔

گل رخ نے ہاریت غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا عمر ہے سسڑ تھہاری؟“

نرس نے کہا۔ ”بی بی میرا بچپن واں برتھ ڈے اب کی ۱۴ فردی کو ہوگا۔“

گل رخ نے ایک دم سے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”بچپن سال؟۔۔۔۔۔ غلط ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو تم کو مرے ہوئے چھ سال ہو چکے ہیں۔ سسڑ تم مر چکی ہو۔“

اس نے گھبرا کر کہا۔ ”میں مر چکی ہوں؟ مگر میں تو زندہ ہوں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”یہ تو نہیں ہوا کہ تمہارا ہاتھ کسی حادثہ میں کٹی گیا ہو اور کسی سرجن نے یہ دوسرے کا ہاتھ تمہارے لگا دیا ہو۔“

اس نے متوحش انداز سے کہا۔ ”یہ کبھی نہیں ہوا میرا ہاتھ کبھی نہیں کٹا۔ یہ آپ کسی ہاتھ کر رہی ہیں؟“

گل رخ نے کہا۔ ”میں وی باتیں کر رہی ہوں جو تمہارا ہاتھ بتا رہا ہے۔ اے مرحومہ تم کو انتقال کئے چھ سال ہو چکے۔“

نرس نے جربز ہو کر کہا۔ ”مگر میں تو زندہ ہوں جیتی جاگتی آپ کے سامنے موجود ہوں۔“

گل رخ نے ہارے یقین کے ساتھ کہا۔ ”تم غلط زندہ ہو تمہاری یہ زندگی اتنی بچی نہیں ہے جتنی تمہارے ہاتھ میں عمر کی لکیر چکی ہے تم اس وقت رحلت کر گئی تھیں جب تمہاری عمر انیس سال کی تھی۔“

نرس نے کچھ متفکر ہو کر کہا۔ ”کیا بتاؤں میں ایک تو مجھے ہاتھ کی لکیروں سے زیادہ اپنا متبار ہے۔ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ سے ہاتھ دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو۔“

گل رخ نے چونک کر کہا۔ ”مجھ سے غلطی؟ یہ کیا کہا تم نے؟ چھ میں تم کو اور باتیں بتاتی ہوں دیکھو وہ کس قدر بچی ہیں۔ مثلاً تم جس شخص سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور جس سے تم کو محبت تھی وہ نہایت بے وفا نکلا۔“

نرس نے اپنا ہاتھ ٹکھیٹ کر کہا۔ ”وہ جانور تھا وحشی تھا۔ اس نے میری وفاؤں کی قدر نہ کی اور ایک دوسری چڑیل پر مرمٹا۔“

گل رخ نے پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ”مگر اس کو تم سے شادی کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ تم بغیر شادی کے اس کی بیوی بنی ہوئی تھیں۔“

نرس نے سرگوشی کے ساتھ خوش ہنسی۔ ”یہ بات کسی سے نہ کہے گا۔ اس میں بھی اس بد معاش کی بد معاشی تھی۔ اس نے مجھ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا تھا کہ میں تم سے شادی ضرور کروں گا۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تم ایک مرتبہ ایسی بیمار پڑی تھیں کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی تھی۔“

تک لٹوا میں پڑا رہے گا جب تک زبیدہ اور ارجمند کا قصہ طے نہیں ہوتا۔ زبیدہ کے سلسلہ میں نعیم صاحب کو آپ راضی کر سکتے ہیں۔“
خاندن نے کہا۔ ”نعیم کو راضی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسی جان راضی ہیں تو نعیم کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“
یہ دونوں زبیدہ اور ارجمند ہی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

ڈاکٹر خالد کی والدہ بظاہر سب سے غیر متعلق اور سب سے الگ تھلک اپنی نواز و وظائف وغیرہ میں معروف رہتی تھیں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ بالکل ہی تارک الدنیا ہو چکی تھیں اور ان کو کچھ خبر ہی نہ تھی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ دیکھتی سب کچھ تھیں مگر اپنے وقار کو قائم رکھتے ہوئے دخل بہت کم دیتی تھیں۔ وہ خود بھی زبیدہ اور ارجمند کے بڑھتے ہوئے پیٹنگ کچھ دن سے دیکھ رہی تھیں۔ مگر مہربان تھیں اور سوائے خاموشی مطالعہ کرنے کے ابھی تک کسی سے کچھ نہ کہا تھا مگر آج جب گل رخ نے اسی ارادہ سے ان کے پاس آ کر یہ ذکر پھیڑا تو وہ ایک دم سے اٹل پڑیں۔

”بئی! میں تو خود کچھ دن سے یہ رنگ دیکھ رہی ہوں اور حیران ہوں کہ یہ آخر گل کیا کھل رہا ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اس میں گل کھلنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ آپ کو زبیدہ کی مرضی معلوم ہو گئی اور یہ بھی اندر رہ گیا کہ ارجمند صاحب بھی اس کو پسند کرتے ہیں۔ ایسی پسند کی شادی سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ میں نے تو ڈاکٹر صاحب سے کہا تھا کہ نعیم صاحب سے کہہ کر یہ سلوگ کر اسی دیا جائے مگر وہ کہتے ہیں کہ فیصلہ نعیم صاحب کو نہیں بلکہ آپ کو کرنا ہے۔“

ڈاکٹر خاندن کی والدہ نے کچھ گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل کے انداز سے کہا۔ ”کیا کہوں بئی! کچھ میں نہیں آتا کچھ۔ خیر نعیم بے چارے سے تو پوچھنا ہی کیا میں اس غریب سے اگر کہوں کہ اندھے کنویں میں پھاند پڑ تو وہ آنکھ بند کر کے پھاند پڑے۔ مگر میں تو حیران ہوں کہ یہ صاحبزادی بچپن کی مگلیتر ہیں میرے خالد کی ساری دنیا جانتی ہے اور خاندان بھر کو اس بات کا علم ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”چھوڑیے بھی آپ ان پرانی باتوں کو۔ وہ زمانہ گیا جب ٹیکروں میں مگنی ہوا کرتی تھی۔ اب جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا سوال ہے وہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ زبیدہ سے ان کا یہ رشتہ قائم ہو خود زبیدہ بھی ارجمند کو پسند کر چکی ہے ان حالات میں سوائے اس کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ جنسی خوشی ان دونوں کو ایک دوسرے کا بنادیا جائے۔“

ڈاکٹر خاندن کی والدہ نے کہا۔ ”وہ تو جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا مگر عقل چکر میں ہے کہ یہ ہو کیا گیا۔ زبیدہ تو مالا جپا کرتی تھی خالد کے نام کی۔ اچھا میں خالد سے مشورہ کر کے کچھ بتاؤں گی تم ذرا اس کو میرے پاس تنہائی میں بھیج دو میں آج اس سے یہ بات کر لی ہوں اور خود تم ذرا انہیں رکھنا کہ کوئی اور ادھر نہ آئے۔“

گل رخ فوراً سمجھ گئی کہ محترمہ بیٹے سے بات کرنے کے لیے ایسی تنہائی چاہتی ہیں کہ وہ خود بھی نہ ہو۔ لہذا اس نے ڈاکٹر خالد کے پاس جا کر

ان کو تو ادھر رو نہ کر دیا اور خود ڈاکٹر خالد کے کپڑوں کے ادھاری سے وہ تمام کپڑے نکال کر بیٹھ گئی جو ابھی دھوبی کے یہاں سے آئے تھے۔ اس لیے کہ یہ اس کا معمول تھا کہ دھوبی کے یہاں سے دھلائی کے آتے ہی وہ ایک ایک کپڑا دیکھ یا کرتی تھی کہ دھوبی نے جتنے بن توڑ دیے ہوں وہ لگا دے اور جتنے کپڑے پھڑے ہوں وہ ہی دے اور کوئی کپڑا ایسے نہ چھوڑے جو پہننے کے واسطے سے نکال جائے اور ۔۔۔۔۔ کسی وجہ سے پہنانا نہ پاسکے۔ دو تو ادھر اس کام میں مصروف ہو گئی ادھر ڈاکٹر خالد جب اپنی دوا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اپنا فتنہ پایا۔ چنانچہ بیٹے کو دیکھتے ہی وہ بولیں۔

”خاندان میں نے تم کو بڑے ضروری مشورے کے لیے بلایا ہے مگر تم کسی کام میں مصروف تو نہ تھے۔“

خالد نے کہا۔ ”جی نہیں میں مطلب ختم کر چکا ہوں اور فی الحال کوئی ضروری کام بھی نہ تھا۔ آپ فرمائیے۔“

والدہ نے ان کے قریب ٹھککتے ہوئے کہا۔ ”چنانچہ چند دن سے زبیدہ اور ارجمند کے غیر معمولی میل جول کو دیکھ رہی ہوں اور میں ہی کیا یہ بات تو اب اتنی کھل چکی ہے کہ آج کل رٹ تک نے مجھ سے یہی بات کی ہے کہ بلکہ وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ شاید تم سے بھی بات کر چکی ہے۔“ خالد نے ما پروائی سے کہا۔ ”اس بات کو آپ بڑی ضروری بات کہہ رہی تھیں میں تو گھبرا گیا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ زبیدہ اور ارجمند والا قصہ تو بہت دنوں کا ہے اور اب ہم لوگوں کا اس کے متعلق کچھ سوچنا اس لیے بیکار ہے کہ جو کچھ طے کرنا ہے وہ دونوں آپس میں ہی طے کر چکے ہیں۔“

والدہ نے بڑی تشویش سے کہا۔ ”میں تو بتاؤ کہ دنیا کیا کہے گی۔ کس کو نہیں معلوم کہ زبیدہ تمہاری بچپن کی منگیت رہے ساری برادری کو یہ بات معلوم ہے اب یک دم سے ارجمند کا نام جو اس کے لیے جانے گا تو ہزار باتیں بتائی جائیں گی کہنے والوں کا منہ کون بند کر سکتا ہے۔“ خالد نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ ”خیر یہ کوئی بات نہیں بچپن کی مگنی اگر ایک غلطی ہے تو اس سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس غلطی پر اصرار کیا جائے اور اس کو نباہنے کے لیے غلطیوں کا ایک تسلسل قائم کر دیا جائے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسی کسی بچے کی پیدائش کے وقت ہی طے کر دیا جائے کہ یہ بچہ پڑھ کر وکیل بنے گا اور اس کے لیے ایک قانونی کتب خانہ بھی ترتیب دے دیا جائے گا ورنہ بھی سلو کر رکھ دیا جائے اور اس کا دفتر بھی سجا دیا جائے مگر وہ صاحبزادے بجائے قانون سے دلچسپی لینے کے لیے مصوٰر بننا شروع کر دیں اور آرٹسٹ بن جائیں۔“

والدہ نے الجھ کر کہا۔ ”تم تو بیٹا نہ جانے کیا بحث لے کر بیٹھ گئے یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم خود بھی ولایت سے واپس آنے کے بعد سے زبیدہ کی طرف متوجہ نہیں ہو اور اب زبیدہ نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس کو بھی تم سے دلچسپی نہیں ہے مگر مجھے تو یہاں بھنسنے ہے کہ تم جس گل رخ کی وجہ سے زبیدہ کی طرف متوجہ نہیں رہے ہو یہ میں نہیں کہتی کہ اللہ نہ کرے اس میں کوئی عیب ہے میں خود اس کو ہزار ہزار میں ایک سمجھتی

ہوں لکھی پڑھی، سیدہ کی سعادت مند اور میری تو ایسی خدمت گزار ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے مگر بیٹا جس کا دماغ ہی ٹھکانے نہ ہو اس کا کبھی بھروسہ۔"

خاند نے کہا۔ "خیر میرا اور گل رخ کا قصہ تو آپ فی الحال رہنے دیجئے سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ زبیدہ کا نام میرا ساتھ لینا آپ چھوڑ دیں اور اب زبیدہ اور ارجمند کے سنجوگ کی تیاریاں کریں۔"

وہ دہانے کہا۔ "نعیم بھی سنے گا تو کیا کہے گا اور میں اس سے مشورہ بھی کروں تو کس منہ سے کروں؟"

خاند نے کہا۔ "آپ کی اس مشکل کو میں سمجھتا تھا لہذا یہ مشکل میں نے آسان کر دی ہے اور خود نعیم سے اس سلسلہ میں بات کر چکا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ نعیم بے چارے تو چرخ قسم کے آدمی ہیں اور وہ اعتقاداً شادی بیاہ کو ذاتی فعل اور ذاتی ذمہ داری کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ جب میں نے ان کی توجہ ارجمند اور زبیدہ کے موجودہ تعلقات کی طرح مبذول کی تو وہ بھائے چوٹنے کے نہایت اطمینان سے کہنے لگے کہ جی ہاں میں خود بھی ان تعلقات اور ان مراسم کو نہایت معنی خیز سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ یہ دونوں جلد کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔"

والدہ نے کہا۔ "بس تو پھر کیا ہے ذرا نعیم میاں کو بلا لیتے تاکہ وہ بھی اس مشورے میں شریک ہو جائے۔"

خاند نے کہا۔ "آپ مشورہ کر کے دیکھ لیجئے وہ سب کچھ آپ پر ہی چھوڑ دیں گے۔ میں ابھی لاتا ہوں ان کو بلا کر۔"

والدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں بھی عصر کی نماز پڑھ لوں تم لے ہی آؤ ان کو۔"

خاند کو فکر صرف یہ تھی کہ کہیں حکیم صاحب نعیم کو گرفتار کئے نہ بیٹھے ہوں اس لیے کہ نعیم عموماً ان ہی کی حراست میں رہتا تھا مگر شکر ہے کہ اس وقت حکیم صاحب موجود نہ تھے۔ لہذا خاند نعیم کو پکڑ ہی لایا اور والدہ کی خدمت میں چس کر دیا جواب نماز پڑھ چکی تھیں۔ نعیم کے خاموش چہرے پر خالد نے خود ہی بتا دیا۔

"ارے ابھی کوئی خاص بات نہیں وہی زبیدہ اور ارجمند والا قصہ ہے۔"

والدہ نے کہا۔ "لو اور سنو یہ گویا کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

نعیم نے کہا۔ "اچھا تو کیا اس قصہ میں کوئی خاص بات بھی پیدا کی گئی ہے۔"

وہ دہانے کہا۔ "سے بیٹا ابھی خاص بات کیا کم ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ زبیدہ کی شادی ہوگی خالد سے اور شادی ہو جائے ایک دم سے

ارجمند کے ساتھ۔"

نعیم نے بے پروائی سے کہا۔ "ابھی نہیں یہ کوئی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بہت سی مشہور خبریں غلط نکل جایا کرتی ہیں۔ زبیدہ اور خالد

میاں کی نسبت تو آپ نے طے کی تھی تا اب رہیدہ اپنی نسبت اگر خود طے کر کے کسی نتیجہ پر پہنچی جائے تو کسی کو اس میں اعتراض کیا ہو سکتا ہے۔ میں بس اتنی مشرقیت کا قائل ضرور ہوں مثلاً آپ بزرگ ہیں آپ کو صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر رہیدہ کوئی غلطی تو نہیں کر رہی ہے۔“

خاند نے دخل دیا۔ ”میرے نزدیک وہ کوئی غلطی نہیں کر رہی ہے۔ اور جند کے منہ پر تو شاید میں نہ کہہ سکوں مگر میری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ وہ بیوقوفی کی حد تک پہنچا ہوا شریف آدمی ہے اور ایسے شوہر نصیب درڑ کیوں ہی کو ملے ہیں۔“

نعیم مسکرا کر بولے۔ ”اتفاق سے نہ حضرت کے متعلق یہی رائے میری بھی ہے اور چونکہ رہیدہ میری بیس ہے لہذا اس کو بھی میں بخوبی جانتا ہوں کہ دماغی طور پر وہ بھی کچھ بہت زیادہ بلند مقام نہیں رکھتیں۔“

خاند نے بات کاٹ کر کہا۔ ”قلمی قلمی یہی رائے میری بھی ہے کہ دماغی طور پر دونوں ایک ہی سطح پر ہیں اور میری تو یہی رائے ہے کہ ان دونوں کا ساتھ بے حد کامیاب رہے گا۔“

والدہ نے کہا۔ ”تو پھر میں رہیدہ وراہ جند سے بات کروں؟“

خاند نے کہا۔ ”اس کی میں رائے نہ دوں گا بجائے اس کے کہ آپ کچھ کہیں یہ دونوں خود ہی کہیں گے۔ ان دونوں کو کہنے دیجئے ممکن ہے ابھی یہ دونوں کسی قطعی فیصلہ پر نہ پہنچے ہوں لہذا اہم کیوں نہ اغفلت بے جا کریں۔ دوسرے میری تم تو جہنی اعال گل رخ کے علاج کی طرف ہے۔ میں اس وقت اپنی توجہ کسی اور طرف نہیں کر سکتا۔ گل رخ کا مرض اس قدر غائر مطالعہ اور سی گہری توجہ چاہتا ہے کہ اس میں ذرا سا غفلت بھی میرے نزدیک مناسب نہیں لہذا میں اس کا علاج شروع کر دوں اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“

اس مشورہ کے بعد کم سے کم یہ طے ہو گیا کہ رہیدہ کو اور جند کی طرف اور اور جند کو رہیدہ کی طرف مائل ہونے کا حق حاصل ہے۔

نکاح ہر ہے کہ ڈاکٹر خالد گل رخ اور اس کی دماغی کیفیت کی طرف سے حالی الذہن نہ تھا بلکہ وہ دن رات گل رخ کی دماغی کیفیت کا نہایت گہرا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا مگر حکیم صاحب غالباً یہ سمجھ رہے تھے کہ خالد غفلت برت رہا ہے۔ اور وہ یہاں خواہ مخواہ پڑے ہوئے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں وہ کئی مرتبہ اپنی اس تضحیل اوقات کا ذکر خالد سے بھی کر چکے تھے اور نعیم سے بھی متعدد مرتبہ کہہ چکے تھے کہ آخر اس طرح میں سب کا بارڈ ڈاکٹر خالد پر کب تک ڈال سکتا ہوں۔ وہ اس کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ ہم لوگ اپنے اخراجات کے خود ذمہ دار بن جائیں اور علاج بھی شروع کرتے کہ یہ سلسلہ مزید طول نہ کھینچے۔ اخراجات والی بات پر تو نعیم نے حکیم صاحب کو نہایت سختی اور سنجیدگی سے منع کر دیا تھا کہ اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لائے گا ورنہ ڈاکٹر خالد کے علاوہ ان کی والدہ کو بے حد تکلیف ہوگی۔ رہ گیا علاج کا معاملہ اس

کے متعلق خود ڈاکٹر خالد نے حکیم صاحب کو تفصیل سے سمجھا دیا تھا کہ گل رخ کے مرض کی نوعیت اس قدر پیچیدہ اور نازک ہے کہ جب تک میں غائر مطالعہ کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر نہ پہنچوں گا علاج ہرگز شروع نہ کروں گا۔ مگر آج حکیم صاحب واقعی بے حد پریشانی کے ساتھ ڈاکٹر خالد کے پاس آئے اور ان سے کہا۔

”بھئی خالد میرا میری رائے یہ ہے کہ عذاب میں اب دیر کرنا مرض کو پالنا ہے۔ آج تو گل رخ نے حدی کر دی کہ مجھ سے الجھ پڑی اور گلی بحث کرنے کے یہ سب مفروضہ باتیں ہیں کہ میں آپ کو باپ کہتی ہوں اور آپ مجھ کو بیٹی سمجھ کر اپنے باپ ہونے کا یقین دلاتے رہتے ہیں ورنہ ہنگامہ تو یہ ہے کہ نہ آپ اس کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں نہ میں قطعی طور پر کہہ سکتی ہوں کہ آپ کی بیٹی ہوں۔“

ڈاکٹر خالد نے اپنا تمام کام چھوڑ کر پوری توجہ کے ساتھ پوچھا۔ ”میں اس کی اسی دماغی کیفیت کا تو مطالعہ کر رہا ہوں۔ ذرا مجھے تفصیل سے بتائیے کہ یہ موضوع کیوں کر چھڑا۔ اور کس بات پر اس نے یہ بات کہی؟“

حکیم صاحب نے بڑی تشویش کے ساتھ کہا۔ ”صاحب ہوا یہ کہ میں بیٹھا غضب لگا رہا تھا۔ وہ جو کمرے میں آئی تو میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ بیٹی ذرا دیکھنا غضب کا ملک رخساروں پر تو نہیں پھیلی ہے بس جناب اس کے جواب میں وہ مجھ سے الجھ پڑی کہ آپ مجھ کو بار بار بات پیچھے پھینکتے ہیں کہ کیوں یاد دلاتے ہیں کہ آپ میرے باپ ہیں۔ میں نے بڑے بڑے پیار سے کہا کہ بیٹی اس سے کہتا ہوں کہ تو میری بیٹی ہے اور اپنا باپ ہونا یاد دلانے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ میں واقعی باپ ہوں۔ اس پر اس نے بحث شروع کر دی کہ واقعی باپ ہونے کا دعویٰ آپ کیونکر کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کیا یہ بات کوئی صحیح الدماغ آدمی کہہ سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی باتوں کے بعد آپ کو اس کے دماغی غلطی میں کوئی شک ہے؟“

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ”شک کی تو کوئی گنجائش نہیں مگر اس دماغی غلطی کی نوعیت سمجھنے کی میں مسلسل کوشش کر رہا ہوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”سوال یہ ہے کہ آپ یہ کوشش ہی کرتے رہیں گے یا کسی نتیجہ پر بھی پہنچیں گے۔ بھلا غضب خدا کا وہ مجھ سے باپ ہونے کا ثبوت مانگ رہی ہے۔“

اسی وقت گل رخ نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”خالد وہ مری ہوئی نرس تمہارے نرسنگ ہوم میں کام کر رہی ہے اس کے جسم پر کبھی کبھی کاغذیں دیا کرو ایک تو بچا رہی ہو ہی مری ہوئی ہے اس پر طرہ یہ کہ تم اس سے زندہ لوگوں کی طرح کام لیتے ہو۔“

حکیم صاحب نے چونکتے ہوئے کہا۔ ”مری ہوئی نرس؟ مری ہوئی نرس کون سی ہے؟“

خالد نے کہا۔ ”وہ جو بوڑھی سی سسٹر ہے۔ اس کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ وہ چھ سال ہوئے مر چکی ہے۔“

حکیم صاحب نے حیران ہو کر کہا۔ ”اللہ واثا الہ راجعون۔ مگر مگر وہ مرنے کے بعد گویا زندہ بھی ہے۔“

گل رخ نے کہا: "اس کا مرنا تو قطعی طے ہوا اس لیے کہ اس کے ہاتھ کی لکیروں کو میں دیکھ چکی ہوں۔ اب سو یہ ہے کہ وہ زندہ کس طرح ہے اس کے متعلق وثوق سے تو کچھ کہہ نہیں سکتی البتہ خیال ہے کہ شاید اس میں شیطان سما گیا ہے۔"

حکیم صاحب نے تشویش سے کہا: "بہن! یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو ایک جتنی جاگتی شخصیت کو مرا ہو کہہ رہی ہو۔ آج مجھ سے ثبوت مانگ رہی تھیں کہ تمہارا باپ ہونے کا میں ثبوت دوں۔"

گل رخ نے کہا: "تو کیا خطا کہہ رہی تھی میں۔ اخلاقاً کہئے تو آپ جو کچھ کہیں اس پر یقین کر لوں۔ بلکہ ہمیشہ یقین کیا ہی ہے مگر میں تو اصولی بات کہہ رہی تھی کہ یہ سب اعتبارات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے اگر اس بات کو آپ سے ثابت کرنے کو کہا جائے تو آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہ کر سکیں گے۔ حالانکہ اگر میں اخلاقی قدروں کو اور اعتباری سعادت مندی کو مالائے طاق رکھ دوں تو آپ محض مجھ کو بہن کہہ کر اپنے کو باپ ثابت کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ میرے والد اس لیے تسلیم کئے جاتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا باپ کہتی ہوں میرے تعاون سے یہ رشتہ قائم ہے۔"

حکیم صاحب نے کہا: "اچھا تو تمہارے اس کا کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔"

گل رخ نے کہا: "ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ یہ بات بھی یقین کامل کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ میں نے یہ ثابت کرنے کا بھی دعویٰ نہیں کیا۔ تم کیوں چپ ہو خالد بولتے کیوں نہیں۔ میں مجھوت ہو نہیں کہہ رہی ہوں۔"

خالد نے کہا: "نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہ بات تسلیم کر لینا جس قدر آسان ہے ثابت کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔"

گل رخ نے کہا: "یہ میں صرف اپنے ہی لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ بلکہ دنیا کا کوئی مٹی یا پٹا اپنے باپ کے تعلق پوری وثوق سے کیونکر کہہ سکتا ہے یہ واقعی میرے باپ ہیں اور نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے یہ قسم کھا سکتا ہے کہ یہ اسی کی اولاد ہے بہتہ ماں کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ اگر میری ماں ہوتی تو میں ہوتی تو میں یہ بات ان سے نہ کہتی اور ان کے اس بیان پر کہ میں ن کی بیٹی ہوں یقین کر لیتی۔"

حکیم صاحب نے الجھ کر کہا: "چھا بھی اچھا تم ہی جی سہی۔"

گل رخ نے تفصیل سے بات کرنے کے لیے بیٹھ کر کہا: "نہیں نہیں آپ اس طرح بات کو ختم نہ کیجئے اور خلافا میری تائید نہ کیجئے بلکہ اگر آپ کا جی چاہے تو مجھ سے مفصل بحث کر سکتے ہیں۔ حالانکہ میں اس وقت اس مرحلہ پر جس کی طرف سے سخت پریشان ہوں کہ خدا اس کی روح کو تسکین دے پر اس کے جسم کو تسکین حاصل نہیں ہے۔ میں نے اس کو بڑی دسوری سے سمجھا یا ہے ابھی کہ اصولاً تم کو قبر میں بیٹ کر آرام کرنا چاہیے لیکن اگر تم میں کوئی خبیث روح سما گئی ہے تو بھی اتنا کام نہ کیا کرو جتنا ذی روح افراد کرتے ہیں۔"

خالد نے کہا: "یعنی آج تم نے اس کو یہ بات سمجھا دی ہے اب وہ دن بھر اپنی موت کا سوگ منائے گی چھپ چھپ کر رونے لگی اور وہ

نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اللہ جانے وہ حضرت کہاں غائب ہیں۔ صبح زیارت ہوئی تھی جب وہ فاقہی رنگ کا سوٹ پہنے غیل خاں سے نظر آ رہے تھے اور اپنی جامہ رچی پر آئینہ کے سامنے خود اپنے ہی عکس سے داد خواں تھے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”آپ کچھ ضرورت سے زیادہ ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں لباس کے معاملہ میں محتاط ہونا اتنی بری بات نہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں۔“

حکیم صاحب نے جلدی سے اچانک بیان بدل دیا۔ ”مجھے کوئی اعتراض تھوڑی ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہیں کہاں؟“

گل رخ نے کہا۔ ”کیا آپ ان کو ہتھکڑی سمجھتے ہیں۔ آخر کوئی کب تک گھر میں گھسا بیٹھا رہے۔ ریبہ کو کچھ شہنگ کرنا تھی وہ مجھ کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ میں مہمان خانہ ٹھیک کر اسی تھی لہذا میں نے ارجمند صاحب کو اس کے ساتھ بھیج دیا ہے۔“

حکیم صاحب نے سرسیم خم کر دیا۔ ”بس تو ٹھیک ہے معلوم تو ہو گیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تشویش رہتی ہے تاکہ اللہ جانے منہ اٹھائے ہوئے کہاں نکل جائیں۔ وہ بھیرے جامہ زیب اور زمانہ ہے خراب۔“

اسی وقت ڈاکٹر خاندکی کار کوئی کے احاطے میں داخل ہوئی اور سب نے دیکھ لیا کہ جس مہماں کو وہ لینے گئے تھے وہ ان کے ساتھ ہے لہذا سب سے پہلے تو نعیم آگے بڑھے اس کے بعد حکیم صاحب دیدہ و دل فروش راہ کرنے کے انداز سے چلے۔ خاند نے نعیم سے ڈاکٹر اسد کو مدنا چاہا تو اس نے کہا۔

”یعنی اب آپ ان سے بھی مجھ کو مل گئے۔ کس قدر مدد کی تھی انہوں نے میری جب ہم ولایت جا رہے تھے۔ میں اتنا بڑا احسان فراموش نہیں ہوں کہ نعیم بھائی کو بھول جاؤں۔“

یہ کہہ کر وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ نعیم سے بغل گیر ہوا۔ اس کے بعد خالد کی والدہ کو دیکھ کر روڑاں کی طرف۔

”ارے امی جان آپ تو بہت دلی ہو گئے ہیں اور کچھ بڑھا پا بھی زیادہ ہی نظر آ رہا ہے۔“

خاند کی والدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”بڑھا پا نہیں تو کیا اب جوانی کے دن ہیں مگر چنانچہ خود بھی کچھ جھٹک گئے ہو۔“

خاند نے اس کو حکیم صاحب سے حایا۔ ”ارے بھئی اسد آپ سے تو ملو ہمارے بزرگ محترم حکیم صاحب۔“

اسد نے سعادت مندی سے ہاتھ ملا کر کہا۔ ”آپ کا تفصیلی تعارف خالد رستہ ہی میں کرا چکے ہیں۔ بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔۔۔۔۔ اور آپ؟ آپ غالباً گل رخ صاحبہ ہیں۔“

گل رخ نے مسکرا کر کہا۔ ”غائب نہیں یقیناً میں گل رخ ہوں، قطعی گل رخ ہوں۔“

خاند نے اسد سے کہا۔ ”خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی تم چل کر اپنا کمرہ وغیرہ دیکھ لو اور اپنی نگرانی میں اپنا سامان ٹھیک کرادو مگر غلط نہیں۔ گل رخ اس عرصہ میں چائے کا اہتمام کریں گی۔ اسد تم غسل تو نہ کرو گے؟“

اسد نے کہا۔ ”آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض ہے کہ میں نل گاڑی پر نہیں بلکہ ہوائی جہاز پر آیا ہوں۔“
خاند نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”ہوائی جہاز پر کیا بیٹھے کہ رماغ ہی عرش پر پہنچ گیا۔ اچھا اب تشریف لے جائے۔“
اور وہ ڈاکٹر اسد کو لے کر کمرے میں آ گیا جو اس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔ مقصد یہ کمرہ دکھانا تھا بلکہ وہ اسد سے گل رخ کے متعلق باتیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے کہا۔

”سنا تھا تم نے گل رخ کا جواب کہ میں غالباً نہیں بلکہ یقیناً گل رخ ہوں قطعی گل رخ ہوں۔“

اسد نے کہا۔ ”یہ تو بڑی تیزی اور ذہانت کا جواب تھا۔“

خاند نے کہا۔ ”یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ایک طرف تو یہ تیری ہے دوسری طرف تم نے سر پر پھول دیکھے تھے لگے ہوئے۔“
اسد نے اس غیر متوقع سوال پر ایک دم گویا اچھل کر کہا۔ ”سب سے پہلے تو پھول ہی دیکھے تھے مگر میں سمجھتا تھا کہ شاید کوئی نیا فیشن گل آیا ہو کہ بھائے ایک آدھ پھول کے پوری شاخ کی شاخ سر پر لگائی جائے۔“

خاند نے کہا۔ ”میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی ایک آدھ پھول بھی نہ لگائی تھی مگر مجھے چند دن سے وہ عجیب حرکتیں کر رہی تھی اور پہلے اس کا دائمی غل جس قدر بھان بن کے بعد سمجھ اور پایا جاسکتا تھا۔ اتنا ہی آج کل نمایاں نظر آتا ہے۔“
اس نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ

ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانے کو“

خاند نے کہا۔ ”تم تو شہری کر رہے ہو مگر واقعہ اتفاق سے یہی ہے اسی لیے میری رائے یہ ہے کہ آپریشن کرنے کا صحیح وقت یہی ہے۔“
اس نے کہا۔ ”مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے کہ اب دیر کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ موسم بھی مناسب ہے اور اس کی کیفیت بھی آپریشن کا تھلا ضرور ہے۔“

خاند نے کہا۔ ”اگر تمہاری بھی یہی رائے ہے تو بس اب مجھے کسی سے پوچھنا نہیں ہے مگر رستہ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کو بہتر عدالت پر پہنچانے کا کوئی بہانہ تجویز کرو۔“

اسد نے کہا۔ ”یہ کونسی مشکل بات ہے ایسا چکمدوں گا کہ ان کو شبہ بھی نہ ہو سکے۔“

اسی وقت گل رخ نے کمرے کے دروازے پر آ کر کہا۔ ”میں حاضر ہو سکتی ہوں؟“

خاند نے کہا۔ ”آؤ گل رخ آ جاؤ نا غائب تم چائے کا تقاضا کرنے آئی ہو۔“

گل رخ نے کہا۔ ”چائے کا تقاضا تو آپ کو کرنا چاہیے تھا میں تو یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ دوسری مرتبہ چائے کا پانی گرم ہو کر میز پر آیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو تیسری مرتبہ رکھوا دیا جائے۔“

اسد نے کہا۔ ”جی نہیں ہم چل رہے ہیں۔ معاف کیجئے گا میں ذرا اپنا سامان درست کر رہا تھا۔“

اور یہ کہتے ہوئے یہ تینوں چائے کی میز پر آگئے جہاں سوائے ذبیحہ اور ارجمند کے سب ہی بکھر تھے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے ان تینوں کو دیکھ کر کہا۔

”لو بھی آگئے وہ لوگ نعیم صاحب مجھے تو آپ چائے بنا دیجئے۔ میری چائے کا وقت تقاضا ہوا جا رہا ہے۔“

نعیم نے چائے بناتے ہوئے کہا۔ ”ٹینک ٹینک آپ کا اتنا ہی کرم کافی ہے کہ آپ نے خلاف معمول اتنا انتظار کر لیا۔“

اس نے کہا۔ ”میں معذرت خواہ ہوں مگر اس میں انتظار کے تکلف کی کیا ضرورت تھی آپ نے شروع کر دی ہوتی چائے۔ بھی یہ

پکڑے، دھر بڑھا دیجئے نعیم صاحب انہی ت قابل غور نظر آ رہے ہیں۔“

گل رخ نے پکڑوں کی ڈاش بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”خالد کی طرف آپ کی بھی کنزروی ہیں پکڑے۔“

چنانچہ ناشتہ اور چائے شروع ہو گئی ادھر ادھر کے لطائف بھی ہوتے رہے اور حکیم صاحب اپنی قابلیت کا رعب ڈاکٹر اسد پر بھی جھاتے رہے مگر یہ مختصری محفل گل رخ کے سوہ پر چونک پڑی۔

”اسد صاحب آپ اس قدر غور سے اور اس وحشت ناک طریقے سے مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟“

اسد نے کہا۔ ”آپ کی طبیعت تو اچھی ہے؟ میرا مطلب ہے کچھ چکر دکر تو نہیں آ رہا ہے؟“

گل رخ نے حیرت سے کہا۔ ”چکر؟ چکر کیسا؟ مجھے تو کوئی چکر دکر نہیں آیا۔“

اسد نے خالد سے کہا۔ ”دیکھنا خالد ان کی آنکھوں کی پتلیاں کیوں پھر رہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھتے رہو۔ ہاں یہ دیکھا تم نے؟“

خاند نے کہا۔ ”واقعی مگر یہ ہو کیا ہے ان کو؟“

اسد نے کہا۔ ”ذرا بند پریشردیکھنے کا آلہ تو منگاؤ۔“

چنانچہ خالد دوڑتا ہوا گیا اور بند پریشر کا آلہ لا کر اسد کو دے دیا اس نے گل رخ کی نبض ہاتھ میں لی۔ خالد نے گل رخ کی بارود پر پٹی

باندھی اور اسد نے پسپ کر کے پارے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر کہا۔

”افوہ کوئی بیڈ خالی ہے تمہارے نرسنگ ہوم میں ان کو تو فوراً لٹا دینا چاہیے۔“

گل رخ نے کہا۔ "ہاں اب مجھے کچھ چکر سا محسوس ہوا ہے۔"

خالد نے گل رخ کو اٹھنے کا اشارہ کر کے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ اسد نے آنکھ کے اشارے سے حکیم صاحب کو خاموش اور مطمئن رہنے کو کہا اور جب گل رخ ڈاکٹر خالد کے ساتھ جا چکی تو اسد نے کہا۔

"آپ لوگ اطمینان رکھئے کوئی چکر نہ کریں گا۔ ترکیب بھی ان کو نرسنگ ہوم میں بستر پر تادیب کی۔"

حکیم صاحب نے کہا۔ "مگر وہ تو خود کہہ رہی تھی کہ بعد میں اسے چکر محسوس ہوا۔"

اسد نے کہا۔ "یہ محض نفسیاتی شے تھی۔"

تھوڑی دیر کے بعد خالد نے واپس آ کر اسد سے کہا۔ "مان گئے استاد تم کو کس آسانی سے تم نے گل رخ کو نرسنگ ہوم پہنچایا ہے وہ باقاعدہ مریض بنی خاموش نسل ہے۔"

اسد نے کہا۔ "بس ٹھیک ہے اب صبح ہی سے علاج شروع ہو جائے گا۔"

آج ڈاکٹر خالد کے یہاں ایک پچھلی سی ہنسی ہوئے تھی۔ صبح ہی سے سب نہایت سراپا نظر آ رہے تھے۔ حکیم صاحب کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آ رہا تھا کہ جیسے خون کی چیمنٹ تک نہ تھی غریب کے چہرے پر۔ زرد ہو کر رہ گئے تھے اور منہ ہی سے نبھانے لگا تھا دعا میں پڑھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ گل رخ کے پاس جانے کی کوشش کی مگر خالد اور اسد دونوں نے قطعی ممانعت کر رکھی تھی کہ گل رخ کے پاس کوئی بھی نہ جائے۔ چنانچہ اس وقت جب خالد اور اسد دونوں آبر کے ایجن پہنچے نرسنگ ہوم کے برآمدے میں منہ پر کپڑا اپنے نظر آئے تو حکیم صاحب پر جو عام بھی گزرا ہو کم ہے۔ کیفیت تو یہ تھی کہ خالد کی والدہ تک سارے جسم سے کھڑی کانپ رہی تھیں کہ نہ جانے ان کو کیا ایک کیا خیال آیا کہ ڈاکٹر کا قاتی ہوئی کمرے کے اندر گئیں اور کلام پاک نکال کر سر پر رکھ لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نعیم بھی خود پریشان تھا مگر اس وقت اس کو حکیم صاحب کو سنبھالنا تھا۔ لہذا اپنی گھبراہٹ چھپائے ہوئے وہ حکیم صاحب کو تسلیاں دے رہا تھا۔

"آپ قطعاً پریشان نہ ہوں حکیم صاحب خدا پر بھروسہ رکھئے اور یہ اطمینان رکھئے کہ گل رخ کو قسمت سے وہ دونوں ڈاکٹر مل گئے ہیں جو دماغی امراض کے اس ملک میں مانے ہوئے معالج سمجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسد نے تو دماغی مریضوں کے ایسے سے علاج کئے ہیں کہ مغربی ملک میں اس کی دھوم ہے، اور اپنے خالد کو بھی آپ گھر کی مرغی نہ سمجھئے دماغی سرجری میں اس وقت جواب نہیں ہے اس کا بلکہ ایک امریکن ڈاکٹر نے تو یہاں تک اس کے متعلق ایک ٹیلیویژن انٹرویو میں کہا تھا کہ ڈاکٹر خالد اس دور کا سب سے بڑا دماغی سرجن ہے۔"

حکیم صاحب نے کہا۔ "اجی کہاں کے خالد اور کیا چیز ہیں اسد! میں اپنی بیٹی کو خدا کے سپرد کئے ہوئے ہوں اور اسی سے اپنی بیٹی کی زندگی اور صحت مانگ رہا ہوں۔"

نعیم نے کہا۔ ”پٹنگ پٹنگ سب سے بڑا آسرا تو اسی کا ہے۔ انسان میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ اس قدرت کے مقابلہ کا تصور بھی کرے۔“

اسی وقت ارجمند نے ایک گلاس لاکر حکیم صاحب کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ تھوڑا سا پیسہ منگوا کر شربت پی بیجئے۔“
 حکیم صاحب نے برہمی سے کہا۔ ”جی شکریہ آپ کا، مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“
 ارجمند نے کہا۔ ”آئی نے بھیجا ہے وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ ضرور پی لیں۔“
 حکیم صاحب نے گلاس لیتے ہوئے کہا۔ ”حکیم صاحب نے بھیجا ہے، بہن نے۔۔۔۔۔۔ تو میں ضرور پیوں گا حالانکہ مجھ سے زیادہ ان کو ضرورت ہے اس وقت ان کو تنہا نہ چھوڑیے آپ لوگ۔ میں دیکھ چکا ہوں ان کی کیفیت کہ اس بے ہوشی کی بجائے اس کے لیے وہ بخیر ہوتا ہے ٹرپ رہی ہیں اس وقت۔“

ارجمند نے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھئے ان کے پاس زبیدہ ہیں۔“
 حکیم صاحب نے شربت کے چند گھونٹ لے کر ارجمند سے کہا۔
 ”صاحبزادے دعا کیجئے۔ آپ بھی۔ آپ ہی کے لیے میری بیٹی پر اس وقت یہ تارک وقت گزر رہا ہے اور آپ ہی کے لیے مگر خدا کو منظور ہے تو وہ صحت یاب ہونے کی منزل سے گزر رہی ہے۔“

ارجمند نے یہ سن کر خاموشی سے گردن جھکا لی۔ نعیم کے دل پر حکیم صاحب کے ان الفاظ سے جیسے تیرس لگا کہ اس مصوم بڑے کو یہ بھی نہیں معلوم کے ارجمند کو اب گل رخ کی صحت کا کوئی انتظار نہیں ہے اور وہ گل رخ سے خانی الذہن ہو کر زبیدہ کا ہو چکا ہے۔ اللہ جانے خود ارجمند پر اس لحاظ کا کیا اثر ہو مگر حکیم صاحب کو تو اس وقت ارجمند پر ان الفاظ کے رد عمل کے دیکھنے تک کا ہوش نہ تھا۔ وہ شربت کا گلاس اس کو تھا کر اسی طرف بڑھنے لگے جدھر آپریشن تھیٹر میں ان کے بڑھاپے کا سہارا زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہا تھا۔ نعیم نے بڑھ کر حکیم صاحب کو روکا۔

”ادھر کہاں جا رہے ہیں آپ حکیم صاحب اسی طرف رہیے۔“
 حکیم صاحب نے کہا۔ ”کوئی اندر سے نکلے تو معلوم تو ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔“
 نعیم نے کہا۔ ”آپریشن ہو رہا ہے اور کیا ہوتا۔ کافی دیر ہو چکی ہے بس اب سب نکلنے ہی والے ہوں گے۔ آئیے چل کر ڈرائیو کو تسلی دیں۔ آپ کی تسلی دینے کا ان پر بڑا اثر ہوگا۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”ایں؟۔۔۔۔۔۔ ہاں واقعی، ان کو سمجھانا چاہیے ایک تو وہ خود کمزور ہیں دوسرے میری گل رخ کو واقعی ہے، بہن

چاہتی تھی۔ خداوند کریم نے ن کمرے میں میری بیٹی کے لیے ایسی محبت بھردی ہے کہ میں تو حیراں ہی ہوں۔“

یہ دونوں جب اس کمرے میں پہنچے جہاں بیگم صاحبہ تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑی ہوئی واقعی سسک سسک کر رو رہی ہیں اور زبیدہ بتاتی ہے کہ ایک طرف کھڑی ہے۔ حکیم صاحب نے جاتے ہی کہا۔

”بہن! اپنے دل کو سبب لیے آپ کی دعائیں خالی نہ جائیں گی میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ گل رخ بالکل تندرست ہو جائے گی۔“

بیگم صاحبہ نے سجدے سے سرائف کر پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھ کر کہا۔ ”ہو گیا آپ پریشان؟“

نعیم نے کہا۔ ”جی نہیں ہو رہا ہے ابھی مگر آپ اطمینان رکھئے انشاء اللہ کامیاب ہی ہو گا آپ پریشان۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”انشاء اللہ۔ مگر کچھ خیر تو منگاتے کہ کتنی دیر ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”آئی دماغ کا آپ پریشان ہے۔ آخر دیر لگتی ہی ہے۔ آپ بھول گئیں ڈپٹی صاحب کا آپ پریشان جو حالہ نے کیا تھا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”اس میں تو بڑی دیر لگی تھی۔ مگر اب تو اس میں بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔“

اسی وقت اس بڑھیا نرس نے جس کو گل رخ مرحومہ کہا کرتی ہے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب نے کہوایا ہے کہ آپ لوگ

اطمینان رکھئے آپ پریشان بہت کامیاب ہوا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”شکر ہے پروردگار تیرا“

حکیم صاحب نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ”تو کیا ہو چکا آپ پریشان؟“

نرس نے کہا۔ ”جی ہاں ڈاکٹر صاحب بھی بس آ رہے ہیں ہاتھ دھو رہے تھے مجھ سے کہا کہ سب پریشان ہوں گے تم ان کو اطمینان دل

دو۔“

ابھی نرس کا یہ جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ ڈاکٹر خالد جیسے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور حکیم کے دونوں ہاتھ دفور مسرت سے تھام کر

بولے۔ ”مبارک ہو قہد آپ پریشان تو خدا کے فضل و کرم سے توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ہوا ہے۔ اب آپ کی دعائیں چاہئیں کہ اس

کامیاب آپ پریشان کا نتیجہ بھی کامیاب ہو۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”شکر ہے خدا کا مگر کیا ابھی کسی نتیجہ کا بھی انتظار ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”جی اور کیا اصل چیز تو وہی ہے۔ آپ پریشان کے بعد کامیاب ہونے کی خوشی تو یہ ہے کہ نہایت تارک ہوتا ہے یہ آپ پریشان مگر

اب دیکھنا یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے آپ پریشان کیا گیا ہے وہ بھی خدا کرے حسب دل خواہ حاصل ہو جائے۔“

ڈاکٹر خالد نے داخل ہو کر کہا۔ ”بس جناب اتنی سی بات تھی جس کے لیے آپ سب پریشان تھے۔“

ہوئی ہے۔ چنانچہ زبیدہ کے جاتے ہی وہ بھی کمرے سے نکل گئے۔ خالد نے اس سے کہا۔ ”جب تک ناشتہ کی میز لگے میں جا کر ایک نظر دیکھ ہی آؤں۔“

اس نے کہا۔ ”ضرورت تو نہیں ہے میں نرموں کو سب کچھ سمجھا چکا ہوں مگر اپنے اطمینان کے لیے دیکھ آؤ جا کر۔“

خالد کے جانے کے بعد اس نے بیگم صاحبہ سے کہا۔ ”امی جان آپ گل رخ کا غسل صحت تو۔۔۔۔۔ دھام دھام سے منائیں گی ہی مگر آج خالد پر سے نظر ضرور اتار دیجئے گا۔ میں واقعی تعریف نہیں کر سکتا کہ کتنا خوبصورت آپریشن کیا ہے اس نے چشم بد دور بخدا معلوم یہ ہو رہا تھا کہ آپریشن نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک مشرقی مصور ہے جو اپنے کچھ بوجھے خطوط سے کسی بے جا تصویر میں روح بھونک رہا ہے۔“

زبیدہ نے آ کر اطلاع دی کہ ناشتہ تیار ہے چنانچہ سب ناشتہ کرے روانہ ہو گئے۔

اور سب تو گل رخ کی صحت کامل کے لیے دست بہ دعا تھے مگر زبیدہ اور ارجمند کے درمیان ایک نئی الجھن یہ پیدا ہو گئی تھی کہ اگر واقعی گل رخ صحت یاب ہو گئی اور اس کا دماغی توازن درست ہو گیا تو کیا ہوگا؟ زبیدہ کو ارجمند کی طرف سے یہ شک تھا کہ کہیں یہ قہالی کا بیگن پھر اسی کی طرف متوجہ نہ ہو جائے مگر ارجمند کے دل کا حال تو خدا ہی جانے جہاں تک زباں کا تعلق ہے وہ زبیدہ کے اس وہم کو نہایت مضحکہ خیز سمجھتا تھا چنانچہ اس وقت بھی یہ دونوں دماغ کے اسی گوشہ میں جہاں یہ رومان پر دان چڑھا تھا اسی راز و نیاز میں مصروف تھے۔ زبیدہ کے چہرے سے وہ خوف برس رہا تھا جو اس تصور نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ گل رخ کے صحت یاب ہونے کے بعد اللہ جانے اس کو قسمت کا کیا تماشا دیکھنا پڑے اور ارجمند اس کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ زبیدہ نے اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تو یہ کہتی ہوں گل رخ نے اگر صحت یاب ہونے کے بعد پھر تم سے الفتات شروع کیا تو۔۔۔۔۔؟“

ارجمند نے ہات کاٹ کر کہا۔ ”تو میں پھسل جاؤں گا اسی کی طرف گویا۔۔۔۔۔ کس قدر احمق نہ وہم ہے تمہارا۔ وہم کا علاج تو خیر لقمان کے پاس بھی نہ تھا بیتہ اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ گل رخ کے صحیح الدماغ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں پنا دماغی توازن کھو بیٹھوں گا۔ تم خرمجھ کو موسم کی ناک کیوں سمجھتی ہو کہ جس کا جی چاہے اپنی طرف موڑ لے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”یہ میں اس لیے سمجھتی ہوں کہ اس کے دماغ پر یہ اثر تمہاری ہی وجہ سے پڑا تھا۔ اب اس آپریشن کے بعد جب اس کا دماغ ٹھکانے آئے گا تو اس کو تم پھر یاد آگے۔“

ارجمند نے کہا۔ ”اچھا فرض کر لیجئے کہ یاد آ یا اس کو میں پھر کیا ہوگا۔ میں گویا ایسا ہی تو برخوردار ہوں کہ اس نے یاد کیا اور میں پہچان کہ دست بستہ کہ بیٹے میں حاضر ہوں۔ انتہا ہے ننھا پاگل پن کی۔ حالانکہ اب اس کا کوئی سوا ہی پیدا نہیں ہوتا ایک تو یہ کہ وہ لکھ یاد کرے مگر

میں اس کو بھول چکا ہوں۔ دوسرے اس کو ڈاکٹر خالد اتنا آزاد تو نہ چھوڑیں گے کہ وہ ان کے بجائے میری طرف کھینچا شروع نہ کر دے۔ پانی کی طرح رو پیہ بہا کر در شب دروز محنت کر کے وہ کیوں کر گوارا کر لیں گے کہ جس گل رخ کے لیے انہوں نے حکمو بھی حرف غدا کی طرح اپنے فسانہ سے نکال دیا ہے وہ گل رخ اب کسی اور کی ہو جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صاحب مجھے تو امید نہیں کہ گل رخ کا دماغی توازن درست ہو۔

زبیدہ نے کہا۔ ”اور مجھے یقین ہے کہ اس کا دماغی توازن ضرور درست ہو جائے گا۔ ڈپٹی صاحب کا آپریشن کر کے خالد نے ایک فکھراک پاگل کو ایسٹریک کیا ہے کہ جیسے وہ کبھی پاگل تھے ہی نہیں۔ زنجیریں توڑ لیتے تھے۔ جو سامنے گیا اس پر حملہ کر بیٹھتے تھے۔ کوئی نہ ملے تو خود اپنے کو بوبھان کر لیا مگر آپریشن کے بعد ایسے فیک ہوئے ہیں کہ کئی کتا میں تک لگے چکے ہیں۔“

ار جند نے کہا۔ ”خیر کتاب لکھنے کو نہ کہنے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے بھی دماغی حرابی کے عالم میں کتاب لکھی تھی یا نہیں۔ بہر حال میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کرے فیک ہو جائے اور ڈاکٹر خالد کے دل کی تمنا برآئے۔ سوال تو یہ ہے کہ اس کے فیک ہو جانے سے میرا بھک جانا تم نے کیوں طے کر لیا ہے۔ عجیب منطق ہے یہ بھی تمہاری کہ میں گویا اسی وقت تک تمہارا ہوں جب تک وہ پاگل ہے۔ تم یہ کہو گی کہ تم نے اس لیے طے کیا ہے کہ چونکہ وہ میری وجہ سے پاگل ہوئی تھی لہذا دماغی طور پر درست ہونے کے بعد وہ پھر میرے جنوں میں جلتا ہو جائے گی۔ مگر میں اس جنوں میں آخر کیوں جلتا ہوں گا کہ تم کو اپنی تمناؤں کا مرکز بنا لینے کے بعد پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم کچ ہی کہہ رہے ہو اور تمہارا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ مجھ سے بے وفائی کرو۔ مگر تم بھی آخر اپنے سینہ میں یک انسان کا دس رکھتے ہو۔ مگر گل رخ تندرست ہو کر اور اپنے حواس میں آ کر تم سے محبت کی بجیک، ننگے گی اس محبت میں اپنی مستقل مزاجی کے حوالے دے گی۔ اپنا یہ ایثار یا در دلائے گی کہ تمہارے ہی لیے وہ اپنے دماغ تک کو ماذف کر چکی ہے تو آخر تم پر کہاں تک اثر ہوگا۔ حکیم صاحب رور لگا میں گے۔ دنیا بھر تم کو قائل کرے گی۔ اور ایسی ایسی باتیں تم سے کہی جائیں گی کہ مہتر بھی ہو تو موم بن جائے۔ مجھے تو سول آنے یقین ہے کہ اس وقت تم ڈگمگائے بغیر نہ رہ سکو گے۔“

ار جند نے کہا۔ ”یہ صرف تمہاری بدگمانی ہے زبیدہ اور میں چاہتا ہوں کہ اس بدگمانی کو دور کرنے کے لیے تم اپنے کو اس وہم میں جلتا نہ رکھو۔ یاد رکھو کہ وہم کو جتنا اپنے دل میں جگہ دو گی اتنی ہی محبت رہے گا اور ہوتی جائے گی۔ محبت اعتماد کے سایہ میں لہجہ پاتی اور وہم کی دھوپ میں بجھتی ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”نہایت ٹھوس کلیہ ہے۔ بڑے خوبصورت الفاظ میں مگر تم مجھ کو کتاب پڑھا رہے ہو اور میں وہ سب کچھ ابھی سے دیکھ رہی ہوں جو ہونے والا ہے۔“

حکیم صاحب بول ٹپے۔ "اگر آپ کو بھی نہ پہچان سکے تو بہت کمال ہے۔"

اسد نے کہا۔ "جی نہیں اس میں کمال کی کوئی بات نہیں اگر اس کا وہ حافظہ ہو کر آیا ہے جو اس غفل سے پہلے تھا اس کو وہ دور یاد نہیں ہو سکتا جو اس درمیانہ عرصہ میں اس پر گزرا ہے۔"

حکیم صاحب نے کہا۔ "تو پھر ب میرے بھی وہاں چلنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے۔"

خاند نے کہا۔ "جی نہیں آپ فی الحال تھوڑا سا اور صبر کر لیں بلکہ در احتیاط رکھئے گا کہ آپ کو یا ارجمند صاحب کو وہ دیکھنے نہ پائے وہ آج باہر شہلانے کو نکالی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ آپ دونوں میں سے کوئی اس کے سامنے آ جائے۔"

ارجمند نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھئے ہم اس کی پوری احتیاط کریں گے۔"

ان سب کو سمجھا بھی کر خالد جس وقت ڈاکٹر اسد کے ساتھ گل رخ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی مگر ان دونوں کو دیکھ کر وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی ٹھہ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر اسد نے مزاج پری کے بعد اس سے کہا۔

"ان کو تو آپ جانتی ہوں گی ڈاکٹر خالد کو؟"

گل رخ نے ڈاکٹر خالد کو بہایت غور سے دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔ "یاد نہیں آتا شاید کبھی دیکھا ہو کیا اسم مبارک بتایا؟"

اسد نے کہا۔ "ڈاکٹر خالد صاحب آپ کے اصل معالج تو یہی ہیں۔ آپ ان سے ایک دوسرے نہیں مسلسل مبینوں مل چکی ہیں۔"

گل رخ نے پھر دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش میں ناکام رہ کر کہا۔ "یہ کب کا واقعہ ہے؟ مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا ہے۔"

بہرحال پہلے نہ سکی آج تول لی لی ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے۔"

خاند نے کہا۔ "کاش اتنا ہی کافی ہوتا۔ بہر صورت اگر میں آپ کو یاد نہیں رہا ہوں تو میں آپ کو بہار کہا دیتا ہوں کہ ب آپ بالکل تندرست ہیں اور جس شکایت میں اب تک آپ جٹا تھیں اس میں جٹکا ہونے کا احساس اب خود مجھے ہو رہا ہے۔"

خاند نے نبھانے یہ الفاظ کس طرح ادا کئے اور اس کے بعد وہ ٹھہر نہ سکا۔ بلکہ اس طرح کمرے سے باہر نکل گیا جیسے ایک جوارى اپنے آخری داؤ پر پتی ساری کائنات ہار کر دامن جھاڑتا ہوا قمار خانے سے نکل گیا۔ ڈاکٹر اسد خاموش تھا اور خود گل رخ ایک سکتہ کے عالم میں تھی کہ یہ قصہ کیا ہے اور جو کچھ خالد نے کہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔

آخر ڈاکٹر اسد نے اس کو نہایت تفصیل سے شروع سے آخر تک کی تمام داستان سنا ڈالی کہ وہ کس طرح ایک سفر میں ڈاکٹر خالد کو ملی وہ کس طرح اس کو اپنے ساتھ لایا اور اس نے کس طرح اپنے دل میں تڑبید کی جگہ اس کو دے کر اپنی تمام میدوں کا مرکز خود اس کو بنایا۔ پھر

حکیم صاحب اور ارجمند کس طرح یہاں پہنچے اور اس نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ آپ ایک خاص قسم کے دماغی غفل میں مبتلا ہیں اور اس

اسد نے اب تقریباً مختل ہو کر کہا۔ ”اگر آپ ان کے متعلق اس حد تک خوش فہمی سے کام لے سکتی ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں بہر صورت آپ کو ایک بے سوٹ بھڑو کی حیثیت سے سب کچھ بتا دیتا میرا کام تھا آئندہ آپ کو اختیار ہے۔“

گل رخ نے بڑی حدہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب آپ کے غلوں اور آپ کی بھڑو میں مجھے قطعاً شک نہیں ہے میں آپ کے اس جذبہ کی سچے دل سے قدر کرتی ہوں کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ مجھے بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں مگر آپ واقعی ارجمند کو نہیں جانتے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بالکل درست ہے مگر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بہر حال آپ مجھ پر صرف یہ عنایت کر دیجئے کہ مجھے میرے والد اور ارجمند سے جس قدر جلد ممکن ہو ملا دیجئے۔“

ڈاکٹر اسد نے حکیم صاحب اور ارجمند کو را کر ملانے کا وعدہ کیا اور وہاں سے آ کر خالد کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچے جہاں وہ تنہا ایک آرام کرسی پر لیٹا سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا اور اینٹنرے میں چلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑوں کا ایک انبار لگا چکا تھا جن سے اسد کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ اس کا دوست کس دماغی الجھن میں مبتلا ہے۔ اسد نے خالد کو اپنی درگل رخ کی گفتگو کی تمام تفصیل سنا کر کہا۔

”اب کیا خیال ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ حکیم صاحب اور ارجمند سے اب اس کو ملا ہی دیا جائے۔“

خالد نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے۔ باقی تمام باتوں کو چھوڑ دو انیسویں صرف یہ ہے کہ ارجمند اس کو پھر شدید دماغی صدمہ پہنچائے گا اور وہ بمشکل اس صدمہ کو برداشت کر سکے گی۔“

اسد نے کہا۔ ”کیا معلوم رہے اس کو صدمہ پہنچائے گا یا رہے وہ کو۔ ایسے تھالی کے ٹنگوں کا کیا اعتبار۔ بہر صورت ہماری ہمارے وہ کسی کو صدمہ پہنچائے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔“

خالد نے کہا۔ ”یہ تو ٹھیک ہے مگر خدا کرے یہ صورت پیش نہ آئے کہ وہ غریب پھر اس صحت یابی کے ہمارے مرض کی طرف واپس ہو جائے۔“

اسد نے یہ بات سنی ان سنی کر دی اور وہ حکیم صاحب اور ارجمند کو گل رخ سے ملانے کے لیے چلا گیا۔

حکیم صاحب بے چارے تو خیر فخری تھے کہ کب ان کو گل رخ سے ملایا جاتا ہے مگر ڈاکٹر اسد کو ہر طرف ڈھونڈنے کے باوجود ارجمند نڈل سکا لہذا وہ مجبوراً صرف حکیم صاحب ہی کو لے کر گل رخ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ متحضر و اطمینان دل ہلا دینے والا تھا جب یہ دونوں باپ بیٹی ملے ہیں۔ حکیم صاحب فوراً جذبات سے لرزہ برآمد تھے۔ اور بار بار بیٹی کو گلے لگا لگا کر اس کا چہرہ غور سے دیکھتے تھے اور دیوانہ وار کہہ جاتے تھے۔

”ڈاکٹر خالد نے تمہارا علاج نہیں کیا ہے بلکہ مجھ کو نئی زندگی بخش دی ہے۔“

گل رخ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے مگر وہ اس کیفیت کے باوجود بار بار دردناکے کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی گویا اب بھی اس کو کسی کا انتظار ہے۔ ڈاکٹر اسد نے اس کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ غالباً کہیں چلے گئے ہیں میں ابھی ان کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”اب وہ کہاں جا سکتا ہے۔ اس کو ڈھونڈ کر لائیے ڈاکٹر صاحب تاکہ اس کے سامنے ہی ان صاحبزادی سے کہہ دوں کہ اگر یہ اس کو پسند کرتی ہیں تو اب میں بھی ناپسند نہیں کرتا ہوں۔“

گل رخ نے دوپٹے کے آئینے میں اپنا چہرہ چھپا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا اور ڈاکٹر اسد کمرے کے باہر آ گئے۔ وہ ابھی اس کو تلاش کرنے کو بھی کی طرف جا رہی تھی کہ باغیچے کے اس گوشہ میں اس کو اور زبیدہ کو دیکھ کر ڈاکٹر اسد کچھ ٹھٹھک سے گئے اور ذرا سی آ رہے کر اس راز و نیاز کو تھوڑی دیر سنتے رہے جو ارجمند اور زبیدہ کے درمیان جاری تھے۔ اسی وقت ڈاکٹر اسد کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی اور وہ تیزی کے ساتھ گل رخ کے کمرہ کی طرف واپس آ کر کمرے میں داخل ہو گئے جہاں حکیم صاحب اور گل رخ ایک دوسرے کو پا کر بے حد خوش تھے۔ ڈاکٹر اسد نے آتے ہی کہا۔

”بہن میں نے ارجمند صاحب کو ڈھونڈ تو نکالا ہے مگر وہ یہاں نہ آ سکیں گے بلکہ خود آپ ہی کو تکلف کرنا پڑے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ دبے پاؤں آپ دونوں میرے ساتھ آ جائیں اور جو کچھ میں دکھاؤں یا جو کچھ میں سناؤں وہ خاموشی سے اس وقت سنتے رہیں جب تک میں آپ کو خاموش رہنے کو کہوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”خیریت تو ہے؟“

ڈاکٹر اسد نے کہا۔ ”ویسے کوئی خاص بات نہیں مگر ذرا دیر میری درخواست پر آپ دونوں خاموشی سے ایک تماشہ دیکھ لیں۔ اس کے بعد آپ کو خود خیریت معلوم ہو جائے گی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جی ہاں چلئے میں بالکل خاموش رہوں گی۔“

ڈاکٹر اسد کو خیال آیا کہ گل رخ بغیر سہارے کے اس جگہ تک نہ جاسکے گی جہاں سے وہ یہ منظر اس کو دکھانا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے گل رخ کو سہارا دے کر آہستہ آہستہ اس جگہ تک پہنچا دیا جہاں سے ارجمند اور زبیدہ دونوں کو یہ دونوں بھی دیکھ سکتے تھے اور جو باتیں ہو رہی تھیں وہ سن بھی سکتے تھے۔ گل رخ اور حکیم صاحب دونوں نہایت خاموشی سے اس سنج میں بیٹھ گئے۔ اس وقت ارجمند زبیدہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پر جوتاڑی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے وہ حقوق شروع کر دیا ہے جو میں نے تجویز کیا تھا۔“

نیگم صاحب نے کہا۔ ”بھائو میں کیا حقوق میں اپنی بیٹی کو تو گلے سے لگا لوں۔ آخر خدا نے میری دعائیں سن ہی لیں۔“

ڈاکٹر اسد نے کہا۔ ”اس حد تک سن لیں کہ جس کو آپ بیٹی کہہ رہی ہیں وہ اب آپ کی بہو ہے۔“

گل رخ نے شرم سے گردن جھکا لی اور اسی حالت میں نیگم صاحبہ نے اس کو چٹا لیا اور دعاؤں کے دفتر کھول کر رکھ دیئے۔ اسد نے کمرے میں جا کر خالد کو پوری رپورٹ سنا دی جس پر خالد کو تو کم مگر نعیم کو بے حد تعجب ہوا۔ اور جب یہ تفصیل نیگم صاحبہ کو پہنچی تو وہ بھی ہکا بکار ہو گئیں۔ ارجمند اور زبیدہ کو خود خالد نے جا کر تلاش کیا مگر معلوم ہوا کہ دونوں ابھی باہر جا چکے ہیں۔ اور جب خالد نے یہ اطلاع یہاں آ کر دی تو حکیم صاحب بول اٹھے۔ ”خس کم جہاں پاک“ مگر نیگم صاحب نے سو باتوں کی ایک بات کہہ دی۔

”وہ جہاں بھی رہیں خوش رہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی چاندی بہو دے دی ہے میں کسی کا برا کیوں چاہوں۔“

